نگار
مرتبہ
نیاز فتحپوری

بسم اللہ

نگار

فہرست مضامین ماہ مارچ ۱۹۳۰ء

بسم اللہ

نگار

اڈیٹر:- نیاز فتحپوری

جلد (۱۷)	مارچ سنہ ۱۹۳۰ء	شمار (۳)

ملاحظات

خدا ہے یا نہین؟ اس کا جواب سورج کے طلوع و غروب سے مانگو، چاند کے ایاب و ذہاب سے پوچھو، آبشارون کی روانی دشت و صحرا کی ویرانی سے دریافت کرو، پہاڑون کے سکوت اور دریاؤن کے شور سے طلب کرو۔ موسمون کا باقاعدہ تغیر و تبدل بہار و خزان کا ظہور و خفا، نباتات کی بوقلمونی، وحوش و طیور کی طبیعی نیرنگی، نوع انسانی کے قوائے کامنہ، فضائے بسیط کے ستارے کائنات کی لانہایت وسعت، خور و شبنم، ذرہ و آفتاب اور ان سے بھی فرد تر انسانی مساعی کی مختلف صورتین، (جن کا نام ہم نے علم طبقات الارض، علم الجو علم الافلاک، علم الکیمیا، علم وظایف الاعضا، علم الحیات، نفسیات و غیرہ رکھا ہے) بتائین گی کہ کوئی ایسی قوت ہے جس کے سمجھنے کے لئے ہم اپنی عقل کو عاجز و بے بس پاتے ہین اور اسی لئے یہ مسئلہ اسقدر بدیہی اسدرجہ روشن و واضح ہے کہ اگر چاہون تو اُسے مشاہدہ سے تعبیر کر سکتا ہون جس کے لئے نہ دلیل و برہان کی ضرورت ہوتی ہے نہ کسی حجت و توجیہ کی۔ آفتاب طلوع ہوتا ہے اور کائنات کا ذرہ ذرہ اس سے آگاہ ہو جاتا ہے، صبح کو پھول کھلتے ہین اور سارا کنج نکہت سے معمور ہو جاتا ہے۔ یہ وہ حقیقت ہے جو آپ اپنی برہان ہے، یہ وہ صداقت ہے جو آپ اپنی مُصدِق ہے۔ اگر ہم اس سے ناواقف ہین تو کس کا قصور؟

حق خامش ست و باتو بصد رنگ گفتگوست — شوق آرمیدہ است و فلک تار جستجوست
موقوف اضطراب زبان نیست عرض راز — گر دار سی اشارۂ تحقیق مو بمو ست
ہر گہ نظر خطاب کند حرف خامشی ست — ہر جا بہار ساز شود نغمہ رنگ و بو ست
کثرت حجاب جلوۂ وحدت نمی شود — مژگان بہر چہ باز کنی دیدہ محو او ست

پھر اب اور نہ کبھی، یہ سوال تو پیدا ہی نہین ہوا کہ کوئی قوت مافوق الادراک ہے یا نہین البتہ عقول انسانی کا اختلاف اس امر مین ضرور رہا ہے کہ ہم اس کا تصور کیونکر کرین، اُس نہ دیکھے جا سکنے والے کو کیونکر دیکھین اور اُس نہ سمجھے جا سکنے والے کو کس طرح سمجھین فلسفہ آجتک اس گرہ کو نہ کھول سکا اور مذہب کی عقدہ کشائیان تمامتر اسی ایک معمہ سے وابستہ رہین اور مختلف زمانون مین مختلف انبیا و رسل نے مختلف طریقون سے اسی مسئلہ کو لوگون کے سامنے پیش کیا، لیکن کیا یہ امر حیرتناک نہین ہے کہ باوجود اس کے کہ حقیقت ایک ہے، مگر تعبیرات بیشمار، راز ایک ہے مگر اس کی داستانین کثیر، اور

حُسنک واحدٌ و عبا راتنا شتّٰی

جنگ ہفتاد و دو ملت ہمہ را عذر بنہ — چون ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

مذاہب و نُسک، اقوام و مِلل کی تاریخ کا مطالعہ کرو تو معلوم ہوگا کہ کفر و اسلام، اذان و ناقوس کی وہ جنگ جو آج نظر آرہی ہے، کوئی نئی چیز نہین بلکہ اس کی ابتدا اُسی وقت سے ہوتی ہے جب سے انسان اپنی فطرت کے ساتھ جذبۂ تفوق پرستی لیکر آیا ہے، یقیناً یہ جنگ علم و مذہب کی جنگ نہین، کیونکہ اگر مذہب کا مقصود اعلیٰ صرف خدا شناسی ہے تو پھر مجھے کوئی سمجھائے کہ دنیا کا وہ کونسا علم ہے، جو معناً اس غایت تک نہین پہونچتا، نہین، بلکہ یہ جنگ اُن رقیبون کی تھی جو ایک ہی محبوب کے جلوہ کے لئے بیتاب تھے، اُن جانثادگان خود فراموش کی تھی جو سوائے اپنے کسی اور کو "خلوتیان راز" مین شامل دیکھنا پسند نہ کرتے تھے، یا زیادہ صحیح الفاظ مین یون کہئے کہ وہ اپنے ہی "ذوق سجود" کے تفوق کو ثابت کرکے "آستانِ محبوب" کو اپنے لئے مخصوص کر لینا چاہتے تھے ـ یقیناً یہ کمزوری کم و بیش ہر زمانہ کے انسان مین پائی گئی ہے اور آج بھی تمام افتراق و انشقاق اسی کمزوری کا نتیجہ ہے

فلسفہ و استدلال کی دنیا مین آکر جس وقت اس مسئلہ پر غور کیا جائیگا تو معلوم ہوگا کہ اس کا اصل سبب صرف یہ ہے کہ خدا کے جس تصور کو مذاہب عالم نے پیش کیا وہ صحیح نہ تھا ممکن ہے کہ صرف قومی و مُلکی نظام تمدن کے لحاظ سے اُس وقت مناسب رہا ہو لیکن اخوت عامہ اور ہمہ گیری کے لحاظ سے وہ نا مکمل تھا، دنیا مین صرف ایک ہی مذہب ایسا ہوا ہے جس نے ہزارون لاکھون سال کی اس الجھی ہوئی گتھی کو سلجھایا اور اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اب نہ مذہب کے لحاظ سے کسی اور مذہب کی ضرورت دنیا کو باقی ہے نہ مبلغ مذہب کی حیثیت سے کسی اور ہستی کے رونما ہونے کی حاجت ـــ اور وہ مذہب اسلام ہے جو نہ کسی ملک کے لئے مخصوص ہے نہ کسی قوم کے لئے مختص، اس کی دعوت گبر و ترسا، یہود و نصاریٰ، عالم و جاہل، امیر و فقیر

شاہ و گدا مشرق و مغرب، شمال و جنوب ہر طبقہ و ہر ملک کے لئے یکسان ہے اور اسی لئے اس نے جو مفہوم خدا کی کبریائی کا پیش کیا ہے وہ ایسا جامع، ایسا قرین عقل، ایسا ہمہ گیر اور سدرجہ وسیع ہے کہ جس آسانی سے ایک جاہل اُسے قبول کر سکتا ہے بالکل اسی طرح ایک فلسفی بھی اس کے ماننے پر مجبور ہے

وہ زمانہ جب "آسمانی بادشاہت" کا وعظ دیکر خدا کو ایک دنیاوی صاحب جبروت بادشاہ کی طرح پیش کیا جاتا تھا، ختم ہو گیا، وہ عہد جب عقول انسانی صرف مرئی و محسوس اشیاء پر ایمان لا سکتے تھے اور جب ضرورتاً و مصلحتاً مسیح کو خدا کی صورت مین پیش کرنے کی ضرورت لاحق ہوئی تھی، گزر گیا، وہ دور انسانیت جب تمرکز نفس (concentration of mind) کے لئے رمزی و اشاری (symbolic) طریق عبادت کی ضرورت محسوس کر کے خدا کے وجود کو بتون، ہیکلون، تمثالون اور مجسمون مین تبدیل کیا گیا، باقی نہین ہے۔ یہ تمام زمانے اب سے تقریباً ۱۳۵۰ سال قبل ختم ہو گئے، جب ریگستان عرب سے ایک انسان کامل و اکمل کا ظہور ہوا اور اسنے نہایت ہی مختصر و سادہ الفاظ مین خدا کے وجود کا وہ فلسفہ بیان کیا جو اس سے قبل کسی نے بیان نہ کیا تھا۔ اسنے ثنویت و تثلیث کی تردید کی، اسنے تجسیم و تشکیل کو غلط ٹھیرایا اسنے حلول و تنفید کی تغلیط کی، اسنے تشتت و انتشار کی صورتون کو محو کیا، تفریق و افتراق کی راہون کو بند کیا اور اسنے بتایا کہ خدا تمام مکانیات و زمانیات کے تعلق سے بے نیاز ہے، مادیات کی دنیا سے علیحدہ ہے اور تمام ان نسبتون و اضافتون سے منزہ جو عقول انسانی کو کسی وجود کے سمجھانے کے لئے متعین کیجاتی ہین۔

ایک طرف تو اُسنے بتایا کہ اس کا قیام عرش برین پر ہے یعنی ذات انسانی سے علیحدہ کائنات مین، فضائے وسیع مین، جو لاتناہی مین جو کچھ ہے وہ سب اسی کا ہے اور اسی کا پیدا کیا ہوا ہے اور دوسری طرف اُسکو شہ رگ سے زیادہ قریب بتایا یعنی جس حد تک ذات انسانی کا تعلق ہے، اُس کے قرب کی کوئی انتہا نہین وہ سانس مین جاری ہے، خون مین ساری ہے، روح مین دوڑ رہا ہے، قلب مین جاگزین ہے

اس کو رحمان و رحیم بتایا، اور جبار و قہار ظاہر کیا بہ ظاہر یہ نام ایک دوسرے کی ضد ہین، لیکن یہین سے یہ نکتہ حل ہوتا ہے کہ جن کو اسماء حسنیٰ کہا جاتا ہے وہ نہ خدا کے ذاتی نام ہین نہ صفاتی بلکہ آثاری و مظاہری اسماء ہین جن کا تعلق کائنات کے ہر تغیر و تبدل، زندگی کے تمام اصول اور ہستی کے جملہ اعتبارات و امتیازات سے ہے۔ یعنی اگر انسان خوشحال و پُر امن زندگی بسر کر رہا ہے تو یہ بھی اُسی کا مظہر ہے، اور اگر قہر و جبر کی ساعتین گزار رہا ہے تو بھی یہ اُسی ایک ذات کی وجہ سے ہین، جس نے اسباب و علل کو پیدا کر کے عالم کی تمام کیفیات مادی و ذہنی کو اپنے سے منسوب کیا ہے اور جن کے اختیار کرنے اور انھین کے مطابق نتائج حاصل کرنے کے لئے انسان کو عقل کامل عطا فرمائی ہے۔

یہ تھا خدا کا وہ تصور جو بانی اسلام نے بتایا اور دعوی کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اس سے زیادہ پاکیزہ و منزہ خیال جو بالغ ترین نگاہ اور رساترین فکر انسانی کے لئے بھی قابل قبول ہو، اور کوئی نہین ہو سکتا۔ یہی ہے وہ اصل اصول مذہب

جو انسان کو وسیع النظر بناتا ہے جو تمام افراد کو ایک رشتۂ اخوت سے وابستہ کرتا ہے اور جو دلون کو تعصب و جہل، کینہ و بغض سے پاک کرتا ہے، لیکن کیا کوئی مسلمان آج کہہ سکتا ہے کہ وہ خدا کو ایسا ہی سمجھ رہا ہے جیسا بانی اسلام نے سمجھا یا تھا اور اسکی آغوش ہر انسان کے لئے خواہ وہ کسی مذہب و ملت، کسی ملک و قوم کا ہو پوری طرح کھلی ہوئی ہے - یہانتک کہ طبقۂ صوفیہ بھی جن کے مشرب و مسلک کا انحصار ہی عقیدۂ "وحدتِ وجود" پر ہے کوئی کیفیت ذہن و ضمیر مین اس نوع کی نہین پاتے جو اس اعتقاد کے بعد پیدا ہونی چاہئے

ہمارے یہان کے علماء مقدس جو اپنی ساری زندگی صرف روزہ و نماز کی تلقین مین بسر کر دیتے ہین کبھی ایک لمحہ کیلئے بھی غور نہین کرتے کہ جس خدا کا پیام وہ دنیا کو پہونچا رہے ہین وہ بیٹے روزہ و نماز کا مطالبہ نہین کرتا بلکہ اس تعلق کی تصدیق چاہتا ہے جو اس کے اور بندون کے درمیان قایم ہے اور جس کے سمجھنے پر کائنات کی ترقی، روح کا استعلاء، اخلاق کی پاکیزگی، مادی ارتقاء اور عالم کا امن و سکون منحصر ہے - اگر ایک مسلمان نماز پڑھنے کے بعد مسجد سے یہ خیال لیکر نکلتا ہے کہ مندر و کلیسا خدا کی حکومت سے علیحدہ ہے، اگر وہ اپنے آپ کو مسلمان سمجھکر اپنے سوا تمام عالم کو غیر خدا کی پیداوار جانتا ہے تو، مذہب معلوم و اہل مذہب معلوم!

پھر جب خدا سب کا ہے، تمام مخلوق اسی کی ہے، اس کو نہ مذہب سے فایدہ پہونچتا ہے نہ لامذہبیت سے نقصان تو پھر یہ عصبیت کیون، یہ تفوق و برتری کا غلط معیار کیسا، طریق عبادت کے اختلاف پر جنگ کیا معنی، وضع و لباس کی تفریق، تمدن و معاشرت کے امتیاز پر آویزش کیسی؟

دل چو آزاد از تعلق شد منور می شود قطرۂ کز موج دامن چید گوہر می شود
ہیچکس را در محبت شرم ہیچشمی مباد در ہوایت ہر کہ گرید دیدہ ام تر می شود

"انسانیت، اب نہین بلکہ ایام طفولت ہی سے حسُن و جمال کا خواب دیکھ رہی ہے، اور جس حدتک اُس کا علم، اس کے مشاعر بڑھتے جاتے ہین، اسیقدر زیادہ شدت و تنوع کے ساتھ یہ کیفیت بڑھتی جاتی ہے - چنانچہ ایک صاحب فن اپنے فن مین، ایک شاعر اپنے شعر مین، ایک ادیب اپنی انشاء مین، ایک فیلسوف اپنے فلسفہ مین یہانتک کہ ایک مادہ پرست بھی (جو اپنی فطرت کے لحاظ سے معنی جمال سمجھنے کا بہت زیادہ نا اہل ہے) حسُن ہی کا خواب دیکھتا ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ جمال کسے کہتے ہین؟

جمال ایک خیال ہے جو مادہ کے ملبوس مین جلوہ گر ہوتا ہے - وہ ایک تبسم ہے جو عالم انسانیت کی پیشانی پر نمودار ہوتا ہے - وہ صحراء حیات مین تھک جانے والے تمدن کی جائے پناہ ہے - وہ ایک قوت ہے جو مادہ کی قیود سے ہمین آزاد کرتی ہے - وہ حیات سے زیادہ ترقی یافتہ چیز ہے جو حیات کو بھی بھلا دیتی ہے -

ماں اپنی لڑکی کے سنہرے بالوں کے چھلوں کو دیکھ کر فرط مسرت سے مسکرا پڑتی ہے اور لڑکی بھی ہنس دیتی ہے شاعر دیکھتا ہے اور ان دونوں کی ہنسی میں وہ جمال الٰہی کی چمک محسوس کرتا ہے۔ ایک نوجوان اپنی محبوبہ کے چہرہ پر نگاہ ڈال کر اپنے قلب کو سکون سے بھر لیتا ہے۔ ایک شخص شام کے وقت آسمان کی رنگین فضا کو دیکھ کر، آفتاب کو افق لاانتہا میں غروب ہوتے ہوئے دیکھ کر جمال فطرت سے متاثر ہوتا ہے۔ ایک شاعر، ایک مغنی حسن سے متاثر ہو کر اپنی موسیقی کے بازوؤں سے فضا میں اس تاثر کو پھیلا دیتا ہے، پھر اگر اس کا نغمہ عظمت وطن سے متعلق ہے تو وہ اپنے نفس کو وطن کے ہیکل مقدس پر قربان کرتا ہوا محسوس کرتا ہے اور اگر وہ نغمۂ محبت ہے تو ہر آواز کے ساتھ وہ اپنی روح کے اجزاء کو صرف ہوتے ہوئے دیکھتا ہے

تارد (Tarde) اپنی کتاب "النطق الاجتماعی" (Logique-sociale) میں کہتا ہے "ہم وطن کو جمیل کہتے ہیں جب وہ قوی ہوتا ہے۔ ہم اسے عظیم کہتے ہیں جب اُس کے افراد مہذب و شایستہ ہوتے ہیں"۔ یقیناً جمیل ہے وہ وطن جو ظلم کے سامنے نہیں جھکتا اور جو لواء حضارت بلند کرنا اپنا نصب العین قرار دیتا ہے

اسپارٹا حسین تھا، جب اسپارٹا کا رہنے والا دیکھتا تھا کہ اُس کا ملک بلاد یونان پر حکمران ہے۔ مصر قدیم جمیل تھا جب اہل مصر اپنے ملک کی عظمت کے معتقد تھے اور وہاں کے ہیاکل و آثار میں وہ انوار ربانی کی روشنی کو مرکوز پاتے تھے — رومہ جمیل تھا جب کہ ماتی اپنی مملکت کو تمام بلاد عالم کی ملکہ جانتا تھا۔ بلاد عرب جمیل تھے جب اسلام اس کے فرزندوں کو حضارت و مدنیت سے آراستہ کر رہا تھا اور اسکی شوکت و جبروت کی داستانیں دنیا کے ہر گوشہ میں سُنی جاتی تھیں یہ خیالات تھے ایک مصری ادیب کے جن میں اس نے یہ سوچا کہ سرزمین ہند بھی جمیل تھی جب کرشن کی تعلیم نے صحیح معنی میں حریت و آزادی کی روح گوشہ گوشہ میں پھونک رکھی تھی — لیکن اب وہی سرزمین مشرق جو ہمیشہ سے طلوع حق و صداقت اور ظہور تہذیب و مدنیت کے لئے مشہور تھی، سوگوار ہے، کیونکہ اُس کا جمال محو ہو گیا ہے۔ اس کی عظمت مٹ چکی ہے۔ اور غالباً اس سے زیادہ دردناک داستان اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ یہ تمام سوگواریاں خود فرزندانِ ملک کے ہاتھوں اس کو حاصل ہوئی ہیں — کیا ہندوستان کی تاریخ غلامی سوائے اس بدبختی کے کسی اور چیز کی تاریخ ہے، کیا فرزندان آریہ ورت کہہ سکتے ہیں کہ اُن میں وہی غیرت و حمیت، وہی بلند خیالی و عالی نظری پائی جاتی ہے، جو ان کے اکابر و اعاظم میں پائی جاتی تھی۔ آج ہندوستان کی آبادی کا عنصر غالب غیر کی حکومت سے آزاد ہونے کے لئے بیتاب ہے، لیکن کبھی اسنے اس پر بھی غور کیا ہے کہ وہ خود اپنے برادران وطن کے ساتھ کس سلوک و رواداری کو جایز رکھتا ہے۔ ہندوستان کے لئے آزادی اور سوراج کے طلبگار حکومت موجودہ سے اپنے فطری و ملکی حقوق کا مطالبہ کر رہے ہیں، لیکن وہ کبھی ایک لمحہ کے لئے ملک کی اُس آبادی کے جذبات کا خیال نہیں کرتے جس کے ضعیف شانوں کی مدد حاصل کئے بغیر یہ بار آسانی سے نہیں اُٹھ سکتا

آج ہندو جماعت مسلمانوں کی عصبیت و تنگ نظری کی شاکی نظر آتی ہے، لیکن کیا واقعات اور عملی زندگی

تجربات جن کا مشاہدہ روز ہوتا رہتا ہے، اس حقیقت کو محو کر دینگے کہ جو جماعت ہم سے فراخدلی اور رواداری چاہتی ہے وہ خود ہمارے لئے کس درجہ مُتکلّف، تنگ نظر اور متعصب ثابت ہو رہی ہے - مین یہ نہین کہتا کہ اس جماعت کے قاید و رہنما بھی اس مرض مین مبتلا ہین، لیکن یہ الزام ان سے کبھی رفع نہین ہو سکتا کہ باوجود اس علم کے انھون نے کبھی اپنے مُلک کو صحیح معنی مین اس نقص کے رفع کرنے پر آمادہ نہین کیا

ملک کی آزادی نہ گول میز کانفرنس سے ملسکتی ہے، نہ سول نافرمانی سے، بلکہ وہ میسر آسکتی ہے صرف اتحاد و اتفاق سے اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب چھوٹی جماعتون کے دلون سے تمام اندیشے نکال دیئے جائین - نہرو رپورٹ خواہ کتنی ہی مناسب کیون نہ رہی ہو اور اب آزادی کا اعلان خواہ کتنا ہی دلخوش کن کیون نہ ہو، لیکن یہ واقعہ ہے کہ مسلمانون کے دل خطرات سے لبریز ہیں اور عملی زندگی کے تجربات نے ان کو ہندوؤن کی طرف سے سخت بدظن و بددل کر رکھا ہے

اگر آج گاندھی اور نہرو نہایت فراخدلی سے اس امر کا اعلان کر دین کہ وہ مسلمانون کی تمام شکایات سننے اور اُن کے مداوا کے لئے طیار ہین تو ابھی یہ دور تذبذب دور ہوا جاتا ہے اور منزل مقصود قریب - لیکن ہمکو معلوم ہے کہ یہ نہین ہوگا اور حصول آزادی کے بعد ایک نہایت ہی المناک قسم کی اندرونی جنگ شروع ہو گی اور پھر کون کہہ سکتا ہے کہ اس اختلال کا نتیجہ کیا ہو

یقیناً ہندوؤن کی جماعت کثیر ہے، صاحب دولت ہے - صاحب علم ہے، اور ان کے مقابلہ مین مسلمان کم ہین ضعیف و غریب ہین، جاہل و بدنصیب ہین، لیکن یہ حقیقت بھی غالباً ہندوؤن سے مخفی نہ ہوگی کہ ہر چیز کی ایک حد ہوا کرتی ہے اور مجبوری کے عالم میں انسان سبھی کچھ کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے

گاندھی نے حکومت کو اعلان جنگ دیدیا ہے اور ملک کو آمادہ کیا جا رہا ہے کہ وہ اپنے سینون کو حکومت کی تیغ و تفنگ سے زخمی ہونے کے لئے کھولدے اور اس مین شک نہیں کہ یہ وہ طریق کار ہے کہ اگر سارا ملک اسپر آمادہ ہو جائے تو دنیا کی کوئی قوت اس کا مقابلہ نہین کر سکتی، لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ مسلمان بہت کم اس مین حصہ لین گے اور ہندو بھی کوئی ایسا محاذ قایم نہ کر سکین گے جس کی کمزوری سے مخالف فایدہ نہ اُٹھا سکے

ماہ گزشتہ کے نگار مین اپنے سفر حیدرآباد کا اعلان کرنے کے بعد حضرت ہوش بلگرامی کا تار موصول ہوا کہ رمضان کے بعد آنا زیادہ مناسب ہے کیونکہ یہ زمانہ وہان عام تعطیل کا ہوتا ہے اس لئے میرے سفر کی خبر تو مشتہر ہو گئی اور مین یہین رہگیا۔ مجھے اپنے اُن احباب سے سخت ندامت ہے جنھون نے مجھے ناگپور، بلہارشاہ اور دوسرے مقامات پر ریل مین ڈھونڈھنے کی زحمت گوارا فرمائی - یقیناً یہ میری غلطی تھی، لیکن شاید ایسی ہولناک قسم کی نہین کہ اس کو نظر انداز نہ کیا جا سکے - بہرحال اب مارچ کے دوسرے ہفتہ مین روانہ ہونے کا قصد ہے، لیکن تعیین تاریخ نہ کرونگا، کیونکہ بالکل ممکن ہے اب ہوش صاحب مجھے "تقلعاً ہیں" کہکر روک دین، فردوس مین جگہ پانے کے لئے رضوان کے ناز اُٹھانا ہی پڑتے ہین اور اُٹھاؤنگا جب تک "ہوس نشاط" کا

سوداسر مین موجود ہے۔

اس ماہ کے مضامین مین پہلا مضمون مولوی عبدالمالک آروی کا حزین پر ہے جو ختم ہو گیا۔ اس مضمون کے دو حصے تھے ایک تاریخی دوسرا تنقیدی۔ تاریخی حصہ کے متعلق فاضل مقالہ نگار نے جو کاوش کی ہے وہ کسی طرح نظر انداز نہین ہو سکتی تنقیدی حصہ البتہ تشنہ رہا اور اس سے کہین زیادہ استقصاء کا مستحق تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ جناب عبدالمالک صاحب باوجود اپنے مشاغل معاش کی کثرت کے جتنا وقت مطالعہ و تحریر پر صرف کردیتے ہین وہ کسی دوسرے کے بس کی بات نہین۔ کاش زمانہ انھین فرصت دیتا اور وہ اپنے ذوق وولولہ کے لحاظ سے زبان کی خدمت انجام دیسکتے۔

ظفر قریشی کے فسانہ مین کوئی خاص بات سوائے اس کے نہین کہ "تعبیر نقش" کو اچھے پیرایہ مین ظاہر کیا ہے۔

جناب رفیعی کا افسانہ جو مراق کے عنوان سے لکھا گیا ہے، یہ عجیب خصوصیت رکھتا ہے کہ اس کے لکھنے والے پر واقعی مراق کا دھوکا ہوتا ہے اور پڑھنے والا بھی اپنی جگہ سوچنے لگتا ہے کہ کہین وہ تو اس مرض مین مبتلا نہین ہو گیا فسانہ نگاری کا ایک خاص اسکول ہے جو فسانہ کی تمام کیفیات کو اپنے اوپر طاری کرکے ناظرین کو بھی اس سے متاثر کرنا چاہتا ہے اور جناب رفیعی نے اسی اسکول کے تتبع مین یہ فسانہ لکھا ہے۔ لیکن اگر اس کے علاوہ فسانہ نگار کا مقصود اس سے محبت کے فلسفہ پر بحث کرنا ہے تو مجھے اس کی صداقت سے انکار ہے۔ اور اس باب مین مجھے اُن کے اس دوست سے اتفاق ہے جو محبت کے مفہوم کو اسی عالم گوشت و پوست سے متعلق کرتا ہے۔ یہ عشق اور وحدت الوجود کا اجتماع کبھی میری سمجھ مین نہین آیا۔ اجمیر کی فضامین پر ورش پانے والے دماغ ممکن ہے اس مغالطہ سے اپنے آپ کو آزاد نہ کرسکین۔

مومن و کلام مومن کا سلسلہ پھر شروع کیا گیا ہے جس کے دلچسپی سے کسی کو انکار نہین ہو سکتا۔

جناب محشر عابدی کا فسانہ "انتظار" خوب ہے۔ مین ہارڈی کی تعریف کیون کرون، اسی کو کیون نہ داد دون جسنے اس خوبی سے اُسے اردو مین منتقل کیا اور نگار کو بغرض اشاعت روانہ کیا۔ اور اگر اس نوع کے المناک فسانہ لکھنا کوئی عیب ہے تو اس کے ذمہ دار مجنون گورکھپوری ہین جنھون نے سب سے پہلے اپنے افسانون کے لئے ہارڈی کا انتخاب کرکے اس بدعت کو عام کیا۔

سلطنت برطانیہ کے متعلق جو مضمون درج ہے وہ بالکل وقت و موسم کی چیز ہے اور موجودہ حالات کے ماتحت اُسے حد درجہ دلچسپی کے ساتھ پڑھا جانا چاہیے

ہمارے دوست سید مقبول احمد صاحب بی اے کا مضمون مسلمانون کے عقاید کے متعلق حقیقتاً تمہید ہے ایک اور مضمون کی جو اس کے بعد شایع ہونے والا ہے۔ نظمون مین حافظ غازیپوری کی نظم اچھی تخییل کا نمونہ ہے۔ اور اختر شیرانی نے جو کچھ لکھا ہے وہ حد درجہ ہیجان انگیز محاکات پر مبنی ہے۔ سچ کہا ہے کسی نے کہ خدا جوان کرے لیکن جوانی کا احساس نہ پیدا ہونے دے۔

نیاز

شیخ محمد بن ابو طالب علی حزین لاہجی

(بہ سلسلۂ سابق)

حزین کی شاعری پر متقدمین کا اثر

شیخ کے محاسن کلام، اور ندرت فکر کی تفصیل پیش کرنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ ان عناصر کی تحقیق کرلیجائے، جو شیخ کی ارتقائے تخئیل مین موید ہوئے، طریق جستجو کی دو صورتین ہوسکتی ہین، تاریخی روایات یا خود شیخ کے کلام کا گہرا مطالعہ، پہلی صورت آسان ہے لیکن اس مین شید لئے تحقیق کہلذت خود اعتمادی میسر نہین آتی، دوسری صورت مشکل ہے، لیکن کسی مسئلہ پر اجتہادی اور تحقیقی نظر ڈالنے والے افراد کے لئے نشاط باطن کا سبب ضرور ہے اور ارباب نظر کے نزدیک بھی یہ آخری طریقۂ استنباط یقیناً قابل ستائش ہوتا ہے، اگو جویائے حق سے اجتہاد اور قیاس مین لغزشین ہی کیون نہ ہوئی ہون، لہذا مین بجائے تاریخ کی ورق گردانی کرنے کے خود شیخ کے کلام پر ایک گہری نظر ڈالکر یہ جستجو کرنا چاہتا ہون کہ شیخ نے فارسی شاعری کے کن مبادی سے استفادہ کیا، ہر مسلک کے رہرو کے لئے یہ ناگزیر ہے کہ وہ بدرقہ راہ یا نقش قدم کا جویان ہو، رینالڈ اے نکلسن نے مقدمہ دیوان شمس تبریز مین مولانا روم جیسے باکمال اور بلند پایہ شاعر کے محاسن افکار کی تفصیل کرتے ہوئے ان مبادی کا تذکرہ کیا ہے، جن سے مولانا مستفید ہوئے[۱]، اسی طرح عرفی جسکی آتش بیانی، سحر طرازی، اور زور بیان کے متعلق تفصیل سے لکھ چکا ہون، تعلی اور اظہار کمال مین غلو کرنے کے باوجود متقدمین کے فیضان سے بہرہ اندوز ہوئے[۲]، لہذا شیخ حزین بھی اس فطری تقلید سے اعراض نہین کرسکتے تھے،

شیخ کے کلام کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے، کہ وہ رومی، حافظ، سعدی، فغانی، نظیری اور سنائی سے بہت عقیدت رکھتے تھے، چنانچہ بعض غزلین ایسی ہین جنکے مقطع مین آپ نے اپنی عقیدتمندی کا اظہار بھی کردیا ہے، جس غزل مین جس قدیم شاعر سے آپنے اظہار عقیدت کیا ہے، وہ ادائے بیان، لطافت فکر، اور مماثلت ذوق کے اعتبار سے اس شاعر کے کلام سے ملجاتی ہے۔

مولانا رومی و حزین

شیخ ایک غزل کے مقطع مین فرماتے ہین۔

حزین از عارف رومی صلائی عشرتے دردہ — کہ ساقی ہرچہ دریابد تمام آوردمستا نرا

اس غزل مین تمام و کمال رومی کا طرز بیان ہے، وہی جلوہ الٰہی ہے، وہی بے خودی اور ولولۂ صوفیانہ فرماتے ہین:۔

درید نہالے جیب غنچہ از باد سحرگاہے — برون از خرقۂ ناموس و تام آوردمستانرا

---

[۱] نگار بابت اکتوبر ۲۸ء "غالب بے نقاب کے حجابات" [۲] نگار بابت دسمبر ۲۸ء خواجہ سید محمد شیرازی

اسی طرح فروغ خلوت، عالم شہود اور رموز وصل کی یون پردہ دری کرتے ہین

دو عالم خلوت یار است مطرب پردۂ سرکن　　سروش خاص او در بزم عام آورد مستانرا

ایک دوسری غزل کے مقطع مین فرماتے ہین:-

(۲)　برکش از دل نفس مولوی روم حزین　　تا ز گلزار و سمن ریخ خزان برخیزد

یہان بھی مولانا رومی ہی کی طرح علم حقیقت، اور تصوف کے مباحث پیش کئے ہین فرماتے ہین

یا تو در خلوت دل وصل مدامی خواہم　　کز میان کلفت روزان و شبان برخیزد

اسی خیال اور اسی رنگ مین مولانا رومی کی غزل کا ایک شعر یہ ہے

عمر ابد پیش من ہست زمان وصال　　زانکہ نگنجد درو ہیچ زمانی مرا

شیخ اپنی ایک اور غزل مین مولانا رومی کے متعلق فرماتے ہین

(۳)　این جواب غزل مرشد روم است کہ گفت　　من بہوے تو خوشم نافۂ تاتار مگیر

اس غزل کے تمام اشعار کو رومی کے خیالات سے چندان نسبت نہین البتہ مطعن رندانہ، لہجۂ شکوہ، بے باکی ادا اور راز و نیاز مین حافظ کے کلام سے مماثلت ہے، ملاحظہ ہو

من خرابا تیم اے شوق مرا یار مگیر　　نیکنامی تو رہ خانۂ خمار مگیر

عنبرین طرہ چہ انداختۂ بر سر دوش　　کافر عشق تو مائیم تو زنار مگیر

گریہ گستاخیم از سینہ صفیرے زدہ سر　　رحم فرما د باین مرغ گرفتار مگیر

ایک مقام پر اور لکھتے ہین

(۴)　اشعار عشق و مستی ست اشعار عارف روم　　گفتار نیست لیکن گفتار می نماید

خواجہ حافظ شیرازی اور حزین

خواجہ حافظ کی شاعری نے متاخرین کے خیالات پر جس قدر اثر کیا، کسی دوسرے شاعر کے افکار نے وہ اثر آفرینی نہین کی، چنانچہ آپکے بعد جتنے اکابر شعرا جامی، عرفی، صائب حزین وغیرہ گزرے سبھون کے کلام مین حافظ کی رنگینی ادا، اور بیتابی خیال پائی جاتی ہے، مرزا غالب نے تو شاعری کے وہ تمام نقوش و رموز پیش کردئے جو خواجہ حافظ کا طغرائے امتیاز ہین، اور جس سے غالب کے قبل اردو کا دامن معرا تھا، شیخ حزین کو خواجہ موصوف سے بھی ایک خاص عقیدت تھی، فرماتے ہین

دلم از نغمۂ حافظ بہ سماع است حزین　　در نہانخانۂ عشرت صنمے خوش دارم

می برد نغمۂ حافظ دلم از ہوشش حزین　　این نشانۂ بخشد می شیراز مرا

دم حافظ بردازدل غم دیرینہ حزین　　اے صبا نکہتے از خاک رہ یار بیار

می برد مصرعہ حافظ دلم از دست حزین　　تکیہ بر عہد گل و باد صبا نتوان کرد

تازہ کردی روش حافظ شیراز حزین　　کہ ز انفاس خوشش بوئے کسے می آید

حافظ اپنے ادائے بیان مین آپ ہی اپنی نظیر ہین لیکن حزین نے جو ہم آہنگی اور تمثل کی کوشش کی ہے، وہ بھی ناکام نہین رہی بلکہ مختلف اثرات کے اختلاط، اور افکار کی آمیزش نے حزین کو لطافت خیال اور غرابت ادا کا ایک ایسا دلکش مجموعہ بنا دیا جسکی پذیرائی سے کوئی صاحب نظر اعراض نہین کرسکتا، موازنہ سے یہ نظریہ ایک حد تک واضح ہوگا۔

حزین	حافظ
اے صبا نکتۂ از لعل لب یار بیار	نکتۂ روح فزا از دہن یار بگو
گہرے تحفہ ز گنجینۂ اسرار بیار	نامہ خوشخبر از عالم اسرار بیار

حافظ اور حزین دونو کے یہان صبا سے خطاب ہے، الفاظ ملتے جلتے ہین معنی بالکل ایک ہین، حزین کے یہان "لعل لب یار" اور "گنجینۂ اسرار" ہے، جیسے حافظ نے "دہن یار" اور "عالم اسرار" کے الفاظ مین پیش کیا ہے، اگر حزین کے تبحر علمیہ کے تاریخی واقعات ہمارے پاس موجود نہوتے، تو ہم اسے یقیناً سرقہ کہدیتے، لیکن اتنا تو ضرور ہے کہ حافظ کی اس غزل کا مطالعہ کرنیکے بعد شیخ صاحب کو اس رنگ اور معنی مین کچھ کہنے کا خیال ہوا، لہذا حزین کی پوری غزل حافظ کی غزل سے غیر شعوری طور پر مستفاد ہوگئی

حزین
دامن آلودہ بہ بوئے گل فردوس مکن
ہرچہ می آوری از خاک رہ یار بیار

حافظ
تا معطر کنم از لطف نسیم تو مشام
شمۂ از نفحات نفس یار بیار

الفاظ متغایر ہین لیکن معنی کے لحاظ سے دونو ایک نتیجہ پر پہونچے ہین یعنی "بوئے دوست" کی طلب، حصول مراد کے لئے دونو کے یہان وساطت پائی جاتی ہے، حزین خاک رہ یار ہی سے اپنے بڑھے ہوئے جذبہ کا سامان سکون پیدا کرنا چاہتے ہین خواجہ صاحب کو نفس یار سے آسودگی ہوتی ہے، بیتابی دل کے اعتبار سے حزین کا شعر بڑھا ہوا ہے،

حزین
اے کہ از سیر چمن بال فشان می گزری
برگ سبزے سوئے مرغان گرفتار بیار

حافظ
شکر آنرا کہ تو در عشرتی اے مرغ چمن
با اسیران قفس مژدۂ گلزار بیار

دونو کے یہان ایک خیال ہے، دونو گرفتار قفس ہین، دونو رقیب کی نظر رحمت کے طالب ہین اور چمن مین لوٹ کر جانے کے متمنی ہین۔

حزین
لب مخمور مرا جرعہ نہ بند د ساقی
چون رسد دور بمن میکدہ بردار بیار

حافظ
دل دیوانہ ز زنجیر نمی آید باز
حلقۂ از خم آن طرۂ طرار بیار

الفاظ متغائر ہیں، بظاہر دو خیالات معلوم ہوتے ہین لیکن دراصل دونو کے یہان ایک ہی خیال ہے، ایک ہی جذبۂ "قلزم آشامی" ہے، اور ایک ہی وسعت شوق ہے، حزین کہتے ہین ایک گھونٹ سے کہین لب مخمور کی تسکین ہوتی ہے - پورا میکدہ اوٹھا لاؤ، سے گئی ساقی کی نخوت قلزم آشامی میری (غالب) خواجہ حافظ کے یہان بھی شوق کا وہی وفور ہے، اور حساس کی وہی ناپید اکناری، بجز ملتے ہین کہین دیوانہ کا دل زنجیر سے رکتا ہے، جاؤ محبوب کے کاکل پیچان سے ایک تار لے آؤ، عرفی نے کیا خوب کہا ہے، ؎

ہمہ جا وحشی از انست کہ رام است اینجا

حزین	کام جان تلخ شد از صبر کہ کردم بے دوست عشوۂ زان لب شیرین شکر بار بیار	ہوا داری از ان سیب زنخدان بوئے گر توانی بہ مشام من بیمار بیار	حافظ

تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ دونو کے یہان ایک خیال ہے، حزین کا مقتضا "سیب زنخدان" کی بو ہے، حافظ کی طلب "لب شیرین" کا عشوہ، البتہ دونون کی صورت تعلیل مین اختلاف ہے، لیکن غور کرنے سے دونو کے یہان طلب کی علت غائی بھی ایک ہی معلوم ہوتی ہے، حزین نے "بیماری" ظاہر کر دی ہے، حافظ نے اسی کو "کام جان تلخ شد" مین پیش کیا ہے

•

حزین	چند بر دوش توان خرقہ ناموس کشید مست از صومعہ ام تا سر بازار بیار	دلق حافظ بچہ ارزد بہ میش رنگین کن وانگہش مست و خراب از سر بازار بیار	حافظ

ایک ہی "جذبۂ بے اختیار شوق" ہے، اور ایک ہی مستانہ انداز ذوق، حافظ صاحب اپنی عادت قدیم کے مطابق دلق درویشی کو شراب سے ملوث کرنا چاہتے ہین، حزین اپنے خرقہ (تصوف) کو شراب مین ڈبونا تو نہین چاہتے لیکن نام و ننگ سے سبکدوش ہو کر حافظ کی طرح مست و خراب، برسر بازار گزرنا چاہتے ہین

حزین	گرچہ در سینہ صد آتشکدہ آتش دارم للہ الحمد کہ با سوزش دل خوش دارم	حافظا چون غم و شادی جہان درگزر است بہتر آنست کہ من خاطر خود خوش دارم	حافظ

تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ دونو اشعار مین ایک ہی خیال پایا جاتا ہے، حزین نے اپنے آتشکدۂ دل کے سوز و تپش کو ظاہر کر دیا ہے، حافظ صاحب نے "سوزش دل" کی تصریح کر دی ہے، اور غم و شادی کی لذت والم سے جدا ہو کر وجود کی "بے تعلقی" سے متاثر ہین، اور حزین کی طرح باوجود محرکات احساس، ایک نشاط باطن اور کیف نفس محسوس کر رہے ہین؛

حزین	بار عشقے کہ از ان چرخ بہ زنہار آمد کوہ دردیست کہ بر جان بلاکش دارم	ناوک غمزہ بیار و زرہ زلف کہ من جنگہا با دل مجروح بلاکش دارم

دونو میں مختلف خیالات ہین، حزین کہتے ہین "جان بلاکش" پر ایک ایسا بار عشق ہے جس سے آسمان بھی پناہ مانگتا ہے، اور دل مین پہاڑ کی طرح ایک درد گران محسوس کرتا ہون، حافظ صاحب کے یہان ایک میدان مقاتلہ ہے، ایک طرف "دل مجروح بلاکش" ہے اور دوسری طرف خود، لہذا محبوب سے سامان حرب طلب کر رہے ہین اور وہ "ناوک غمزہ" اور "زرہ زلف" ہے

حزین — نکند تیرہ غبار غم ایام مرا | گر بہ کاشانۂ رندان قدمے خواہی زد
حافظ — مشربے صاف تر از بادۂ بیغش دارم | نقل شیر و شکرین و می بیغش دارم

کسی قدر اختلاف ہے، لیکن اصولی حیثیت سے دونو کے یہان ایک ہی خیال ہے، اور ایک ہی پرامن زندگی کا نقشہ کھینچا گیا ہے، حزین "غم ایام" کی تیرگی سے آزاد ہین حافظ صاحب کے "کاشانۂ رندانہ" کی کیا بات ہے وہان شیر و شکر کا چرچہ ہے، اور شراب و کباب کا سامان، اسلئے دونو کی زندگی نتیجہ کے اعتبار سے ملتی ہوئی ہے۔

حزین — یا سر زلف تو گویا شدہ گستاخ صبا | ورتو زین دست مرا بے سر و سامان داری
حافظ — بے سبب خاطر مجموع مشوش دارم | من بہ آہ سحرت زلف مشوش دارم

تذکرۂ زلف دونو مین مشترک ہے البتہ دونو نے اظہار خیال کے دو طریقے اختیار کئے ہین

حزین — نردو از سر سودا زدہ تا حشر برون | یک سر موئے بدست من و یکسر باد دست
حافظ — پیچ و تابے کہ ازان طرۂ دلکش دارم | سالہا بر سر این موئے کشاکش دارم

حزین اور حافظ دونو کے یہان معشوق کے کاکل پیچان کا تذکرہ ہے، حزین کے یہان پیچ و تاب ہے، حافظ نے اسے "کشاکش" مین ظاہر کیا ہے، زلف کی اثر آفرینی دونو پر یکسان ہے

سنائی و حزین حکیم سنائی عہد غزنویہ کے "رومی" تھے، آپ مولانا سے پہلے گزرے ہین آپکی کتاب حدیقہ کا ایک انگریزی ترجمہ بھی شایع ہوا ہے، حزین نے آپکی طرف بھی اشارہ کیا ہے، فرماتے ہین

از یاد حزین نہ ہی مصرع سنائی را | از یار بہر زخمے افگار نبایدشد

فغانی و حزین حزین نے اپنی بعض غزلیات کے مقطع مین فغانی کے ساتھ بھی ارادت و عقیدت کا اظہار کیا ہے فغانی اپنے عہد کے بڑے استاد سخن گزرے ہین اور متاخرین کی آتش بیانی اور جوش خیال بڑی حد تک فغانی ہی کے نالہ و فغان سے مستفاد ہے، چنانچہ مجمع النفائس مین تقی اوحدی کا یہ قول مسطور ہے، کہ جب وہ عرفی شیرازی کے رفیق و جلیس تھے، اسوقت مشاعرہ مین فغانی ہی کا کلام مصرعہ طرح مقرر ہوتا تھا، (نگار بابت دسمبر ۱۹۲۸ء عرفی شیرازی)
شیخ فرماتے ہین

دادیم حزین این غزل از فیض فغانی | ہر جاکہ رود بہرۂ یار است دل ما

ایک دوسری غزل کے مقطع مین کہتے ہین

حزین ازین غزلت تازہ گشت طرز فغانی — سزد ز سدرہ فرود آید و زمین تو بوسد

سعدی و حزین

رینالڈ اے نکلسن نے مقدمہ دیوان شمس تبریز (مطبوعہ کیمبرج) مین سعدی کو "نیم دل صوفی" لکھا ہے سعدی کو تصوف کا مذاق تھا تو ضرور، لیکن آپکے کلام مین اخلاق و موعظت کا گہرا اثر پایا جاتا ہے، مقدمہ دیوان شمس تبریز مطبوعہ طہران مین فاضل مقالہ نگار نے مجازیات وعشقیات سے تعبیر کیا ہے، اور حق یہ ہے کہ شیخ سعدی ایک ہمہ دان استاد گزرے ہین اور آپ فارس کی عشقیہ شاعری کے سلسلہ ارتقاء کی ایک زبردست کڑی ہین، حزین نے سعدی کے کلام سے بھی استفادہ کیا ہے، فرماتے ہین۔

این جواب غزل دلکش سعدی است کہ گفت — کہ نئی خامہ آتش نفسم زادم از دست

نظیری و حزین — حزین کے مندرجہ ذیل شعر سے پتہ چلتا ہے، کہ نظیری کا کلام بھی آپکے زیر مطالعہ رہا ہے، فرماتے ہین۔

غوغائے حزین است ز فریاد نظیری — بانگے کہ نباشد نکند کوہ صدا ہیچ

آخری مصرعہ پر غور کیا جائے، تو پتہ چلتا ہے، کہ نظیری کو حزین نے اپنا استاد اور رہنما تسلیم کیا ہے، بلکہ اس سے بھی بڑھکر جب شیخ کے نظریہ استدلال پر غور کیا جاتا ہے، تو پتہ چلتا ہے، کہ اگر نظیری کا کلام انکے زیر مطالعہ نہ ہوتا تو وہ شاعری کی لذت سے بھی نا آشنا رہجاتے، "بانگے کہ نباشد نکند کوہ صدا ہیچ" کا یہی مطلب ہے،

عرفی و حزین

شیخ نے اپنے کلام مین کہین عرفی شیرازی سے ارادت کا اظہار نہین کیا ہے، لیکن گزشتہ اوراق مین لکھا جاچکا ہے کہ شیخ نے عرفی کی ایک رباعی نقل کی ہے، مگر حوالہ نہین دیا، اس سے مین یہ نتیجہ نکالنا نہین چاہتا، کہ شیخ نے عمداً عرفی کا حوالہ نہین دیا تاکہ ناواقف حضرات اسے آپ ہی کی طرف منسوب کردین، بلکہ اس سے ظاہر ہوتا ہے، کہ عرفی کا کلام بھی آپکے زیر مطالعہ رہا ہے، اور اسکا طرز بیان اور اشعار آپکے دماغ مین محفوظ بھی رہے ہین، چنانچہ مفصلۂ ذیل موازنہ سے ایک حد تک یہ نظریہ واضح ہوتا ہے۔

حزین:
سینہ آسا در آتشخانہ میرقص
بہ بال شعلہ چون پروانہ میرقص

عرفی:
چو خون در زخم صیدے گشتہ می جوش
چو دل در سینۂ پروانہ میرقص ...

مضمون مین کسی قدر اختلاف ہے، لیکن خیال ایک ہے، "جذبہ پروانہ" اور "رقص پروانہ" دونو مین مشترک ہے

حزین:
برافگن خرقہ ہنگام سماعست
ز مستوری برامستانہ میرقص

عرفی:
برافشان دست بر ناموس وانگہ
میان محرم و بیگانہ می رقص

حزین کا "برافگن خرقہ" اور عرفی کا "برافشان دست بر ناموس" معنی کے لحاظ سے ایک ہی خیال پر مبنی ہے، دوسرا شعر بھی ملتا ہوا ہے، یعنی رقص مستانہ کیلئے دونو کے یہان خلوت وجلوت، یا مجلس خاص و عام کی قید نہین،

حزین
سرودے نیست بہ از غلغل مے
بپائے شیشہ چون پیمانہ میرقص

عرفی
عجب ذوقے بود در رقص و مستی
تو نیز اے بادہ در پیمانہ میرقص

حزین کے مجازی رنگ نے زیادہ لطف پیدا کر دیا ہے، عرفی نے پیمانہ مین شراب کی جھلک دیکھکر "رقص مستانہ" کا حکم لگایا ہے، حزین نے غلغل مے کو وہ صوفیانہ سماع اور ذوقیہ لحن ترنم سمجھا، جسکے لئے نہ وضعی پردۂ سرود اور قانون لحن کی ضرورت ہے، نہ اسرار موسیقی کے درک کی بلکہ ریناؔ لڑاے تکلس کے الفاظ مین سقہ کی آواز، موذن کی پکار ہوا کی سائین سائین، بھیڑ کی صدا مین ایک صوفی کے قلب کو متاثر کر دیتی ہے، یہان حزین بھی تصوف کے اسی خاص رنگ مین "غلغل مے" کو تحریک سماع کا ایک کامیاب ذریعہ بتاتے ہین

حزین
نہ کمتہ حزین از ذرہ عشق
مدام از جلوۂ جانانہ میرقص

عرفی
مشو عرفی رہین باغ و بلبل
بیا تنگ چغد در پروانہ میرقص

دونو کے یہان ایک ہی ذوق سماع ہے، اور ایک ہی لہجہ ادا، البتہ صورت استدلال مین فرق ہے، حزین کہتے ہین سرگردان عشق "ذرہ" سے تو کمتر درجہ نہین ہونا چاہئے، جو جلوہ یار (آفتاب) سے ہمیشہ مصروف رقص ہے، عرفی کہتے ہین باغ و بلبل کی قید کیا، دلکو تو ایک ویران کن اور وحشت انگیز الو کی آواز پر بھی محو رقص ہو جانا چاہتے، عرفی کا شعر حزین کے شعر "سرودے نیست بہ از غلغل مے" سے ملجاتا ہے

سطور بالا سے یہ نظریہ واضح ہو گیا ہے کہ حزین کے ذوق شاعری پر رومی، سنائی، حافظ، سعدی، فغانی، نظیری اور ایک حد تک عرفی کے تخیلات کا اثر پڑا ہے، جسکا شیخ نے (با استثنائے عرفی) اعتراف بھی کیا ہے،

شیخ کی غزلیات پر جب ایک مبصر کی نگاہ پڑتی ہے، تو وہ اسے دو حصون مین تقسیم کر دیتا ہے، ایک عشقیہ دوسرا صوفیانہ حزین نے رموز عشق اور ذوق صوفیانہ کی ایسی تصریح کی ہے، کہ زبان سے بے اختیارانہ صدائے تحسین نکلتی ہے، مضمون آفرینی، عذوبت بیان، سلاست اور نفاست ادا مین حزین اپنے دور مین فارسی زبان کے سب سے بڑے شاعر گزرے ہین،

حزین کی عشقیہ شاعری

عشق کی لذت آگینیان کوئی اس دل سے پوچھے، جو کسی نگاہ ناز اور عشوۂ لب لعل سے زندگی مین آشنا ہوا ہو، زندگی بھی نشۂ شباب کی فریب خوردہ نہین، بلکہ ایک پاک اور محتاط زندگی، جسے ہجر مین بر و لیالی" نے "گرم فریاد" اور دیدۂ پر تمنا کو مصروف اشک ریزی رکھکر محبت کے سخت اور خطرناک منزلون سے اس سطح پر پہونچا دیا ہو جہان مجاز حقیقت مین ملکر ایک ایسا ارفع احساس پیدا کر دیتا ہے، جسے کچھ وہ انسان سمجھ سکتا ہے، جسکے سامنے "بند نقاب حسن" برطرف ہو کر "غیر از نگاہ اب کوئی حائل نہین رہا" کا منظر موجود ہو، فارس کی عشقیہ شاعری سے کامل طور پر لطف اندوز ہونے کے لئے ضرور ہے، کہ انسان اپنی زندگی کے اس دور کی یاد

تازہ کرے، جیسے شکسپیر کے الفاظ مین "حیات کے سات مراحل" مین سے "مرحلہ عشق" کہتے ہین، وہ عشق نہین جس کے باطنی فیوض وبرکات کو طوفان شباب بہالے گیا ہو، بلکہ وہ پرکیف محبت اور نشاط انگیز لذت درد جسکے امیال وعواطف نے نسانی زندگی کو "رنج نومیدی جاوید" کے باوجود کسی عذرہ یا سلمی سے وابستہ رکھا ہو، سامان وصل مفقود ہو، تکلم وترسل استحالہ کی حد تک پہونچ گیا ہو، اگر انفرادی زندگی کا وہی دور ہو یا کم ازکم اس دور کا نقشہ پیش نظر ہو، توحزین کی عشقیہ شاعری البتہ ایک سمند ناز کو لطف تازیانہ سے آشنا کر سکتی ہے، ملاحظہ ہو۔

دل در شکن زلفت صبح طربے دارد — مہتاب بناگوشت فرخندہ شبے دارد
در میکدہ خاکم را پیمانہ کنی یارب — شاید دل حسرت کش لب را یہ لبے دارد
افسانہ کند خوابش آشوب قیامت را — دل بیہدہ درکوشش شور وشغبے دارد
بے رنج نہ شد حاصل نے کفر نہ ایمانم — از بتکدہ تاکعبہ رنج وتعبے دارد
بکشائے حزین چشمے کان مہر جہان آرا — در محمل ہر ذرہ لیلی نسبے دارد

"شکن زلف" کے ساتھ "صبح طرب" اور "مہتاب بناگوش" کے ساتھ فرخندہ شب کا تلازم ایک نہایت دلکش طرز بیان ہے، استعارۂ جمیل قابل داد ہے، دوسرے شعر کے متعلق مقدمہ مین لکھا جاچکا ہے، "آشوب قیامت" کا ایک فسانہ ہو جانا، کچھ وہی سمجھ سکتا ہے، جسے قیامت کے ہولناک واقعات کا احساس ہو، اور پھر خواب نازمین محو ہوجانے والے کو بھی دیکھا ہو جسکی ادائے بیداد اور رعنائی نے قیامت کو محض ایک افسانہ بنا دیا ہے، غالب کہتے ہین "کیا خوب قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور" کفر وایمان کا ایک سطح پر آجانا نہایت پر لطف ہے، اس طرز مین عرفی کے بہتیرے اشعار پائے جاتے ہین آخری شعر وحدت فی الکثرت کی طرف رہنمائی کر رہا ہے۔ (Pantheism) فارسی شاعری کا ایک نہایت اہم موضوع تخیل ہے مولانا روم کے اکثر اشعار اسی خیال سے متعلق ہین،

ازین دہشت کہ ہجرانے مبادا درکمین باشد — زحسرت ہر نگاہ من نگاہ واپسین باشد

شیخ نے جس سرشارانہ طریقہ سے "حسرت نگاہ" اور "نگاہ واپسین" کا نقشہ کھینچا ہے، اسے وہ ناکام محبت سمجھ سکتا ہے جسے شوق وانتظار کے بے شمار مراحل کے طے کرلینے کے بعد محبوب کی اتفاقی ملاقات نصیب ہو جائے، اور یہ مہلت اندیشہ ناکامی سے خالی بھی نہو، اسوقت نگاہ پرحسرت کی یاس افزا تشنگی وہی منظر پیش کرتی ہوگی، جو ایک دردمند محبت محبوب سے جدا ہوتے وقت "نگاہ واپسین" (آخری نظر) کی صورت مین پیش کرتا ہے، الفاظ تشریح کے لئے ناکافی ہین ہان تصور کے بعد ہر شخص لذت احساس سے متکیف ہو سکتا ہے۔

گرہ ساز دزبان شعلہ شمع انجمن پیرا — بہر محفل کہ حرفے زان عذار آتشین باشد

اس غزل کا ہر شعر حزین کے وفور تمنا کا مظہر ہے، بیان تشبیہ، تجنیس، مدح، تمام خصوصیات نے ملکر شعر کو نہایت بلند سطح پر پہونچا دیا ہے، جس محفل مین سلمیٰ کے عذار آتشین کا تذکرہ آئے وہان شمع کی لَو کا نمود اضطراب شاعر کے جذبہ کی ناپیدا کناری کا ایک اعلیٰ ثبوت ہے، "زبان شعلۂ شمع" سے محبوب کے رخسار کی تشبیہ، اور پھر مشبہ بہ پر مشبہ کا تفوق جداگانہ لذت انگیز ہے، مگر حصول لذت کے لئے تصور شرط ہے

شود در موج آب زندگانی سبزہ اش غلطان　　دران گلشن کہ ابروئے تر اازنازچین باشد

"چین جبین" یار سے گلشن مین نباتات پر تر و تازگی آجانا وہی سمجھ سکتا ہے، جو عرصہ کی فسردگی حیات کے بعد محبوب کی غلط انداز نگاہ ناز سے لذت آشنا ہوا، ہو

فریب حرف وصورت خضرم از جا برنمی آرد　　کہ آب زندگی لعل ترا زیر نگین باشد

آب حیات لانے مین خضر کی ناکامی کا راز یہ ہے کہ اب آب حیات کا مقام ظلمات نہین رہا بلکہ وہ اب شیخ کے محبوب کے لب لعل کے زیر نگین ہے، کیا لطیف اسلوب بیان ہے، کس خوبی سے "لب لعل" تک دسترس ہونے کو آبحیات تک رسائی سے تعبیر کیا ہے، پردہ ظلمات کو طے کرلینے کے لئے جن منازل سے گزرنا ناگزیر ہے، وہ الگ، سکندر کی سرگشتگی اور نامرادی کا فسانہ بھی پیش نظر ہے، محبوب کے لب لعل سے سیرابی کی تمنا مین بھی یہی دقتین ہین، اور نامرادی و یاس کا منظر،

نگاہ گرم چون رخسار آتشین تو بوسد　　عرق چون شبنم گستاخ یاسمین تو بوسد

جذبات، تشبیہات اور استعارہ کے مخلوط اثر نے شعر مین بڑی حلاوت پیدا کردی ہے، - منظر پر خیال کیجئے اور جذبات کی داد دیجئے، ایک عاشق بیباک، شاہد ناز کے رخ زیبا پر نظر جما رہا ہے، یہ گویا رخسار کا بوسہ ہے جو نگاہ لے رہی ہے، یہین تک بس نہین آگے دیکھئے اس منظر سے محبوب پر کیا اثر ہوتا ہے، جذبۂ حیا مین محبوب کے چہرہ سے پسینہ نکل آیا ہے، محبوب کو بھی بازاری نہین ہونے دیا، ایک نہایت پاک سیرت اور عصمت دار تصور کیا، یہین تک ختم نہین ہے، بلکہ اس منظر کی بھی ایک اور تشبیہ دی ہے، جو اسقدر لطف انگیز ہے کہ دل پھڑک اوٹھتا ہے، اس عاشق بیباک کی نظر بازی سے محبوب پر جذبۂ حیا طاری ہوا، حیا کا مقتضا تھا کہ پسینہ نکلے، اب پسینہ کو "شبنم گستاخ" سے تشبیہ دیتے ہین جو یاسمین کی پنکھڑیوں کا بوسہ لیا کرتی ہے، گو یا رخسار محبوب یاسمین ہے اور پسینہ "شبنم گستاخ"

خدائے را تخرامی بہ کشت باغ مبادا　　دہان غنچہ کف پائے نازنین تو بوسد

صرف جذبات کی داد دیجئے، محبوب کی سیر باغ سے غنچہ "کا کف پائے نازنین" کو چوم لینا، شاعر کی عجیب وارفتگی محبت کو ظاہر کرتا ہے،

بیا بتاب بیازوئے حسن دست تجلی　　کہ معجزہ ید بیضا سر آستین تو بوسد

حافظ:- زحسرت لب شیرین ہنوز می بینم | کہ لالہ می دمد از خاک تربت فرہاد
جامی:- بسکہ رفتند شہیدان غمت زیر زمین | لالہا غرقہ بہ خون می دمد آن صحرا را
صاحب:- یادگار جگر سوختۂ مجنون است | لالۂ چند کہ از دامن صحرا برخواست

رم وحشی نگاہ او بوحشت دادہ آرام | دماغم را بشور آوردہ آہوئے کہ او دارد
جبین کعبہ و دیر است بر خاک نیاز او | چہ محرابیست یارب طاق ابروئے کہ او دارد
ندارد گر نظر با ما تغافل نیست کار افزا | نگہ رامی فریبد چشم جادوئے کہ او دارد
حزین آشفتہ حالم آہ ازان دامن فشانیہا | بطوفان می دہد خاک مرا کوئے کہ او دارد

رم وحشی نگاہ، محراب طاق ابرو، "دامن فشانیہا" اور خاک عاشق کا سپرد طوفان ہونا، غضب کے فقرے ہین، نزاکت تخئیل اور لطافت احساس قابل داد ہے

دل عاجز حریف ترک چشمت کے تواند شد | بخون غلطاندہ مژگانت صف خنجر گزاران را

حزین کی صوفیانہ شاعری

شعرائے فارس مین مشکل سے کوئی ایسا شاعر ہوگا جسکی غزلیات مین تصوف کی چاشنی نہو، اسکی بڑی وجہ یہ ہے کہ فارس کے اکابر شعرا و اساتذہ سخن رہبر و طریقت تھے، دنیا کو نقش قدم کی تلاش رہتی ہے متاخرین مین جو صوفیانہ مذاق نہ بھی رکھتے تھے، انھون نے بھی صوفیانہ طرز مین کہنا شروع کیا، تعلیم کے اعتبار سے حزین ایک مشہور صوفی شیخ خلیل اللہ طالقانی کے تربیت یافتہ تھے، دوسری بات یہ ہے کہ اکثر صوفی ہی شعرا کا کلام آپکے زیر مطالعہ رہا ہے جسکی تفصیل اوپر گزر چکی لہذا آپکے کلام مین بکثرت صوفیانہ جذبات پائے جاتے ہین

نہ در کنعان نہ در بازار مصرت می توان دیدن | بیابان گرد حیرت کردہ شوقت کاروانہارا

گریبان چاک باشد دلق ما تر دامنان تا کے | بے آلودہ گرداں خرقۂ پرہیزگاراں را
سلوکم در طریق عشق با یاراں چناں ماند | کہ مور لنگ ہمراہی کند چابک سواراں را

چو لالہ با چمن حسن و عشق خوست مرا | مئے مجاز و حقیقت بیک سبوست مرا
بہ گرد بام و درم دیر و کعبہ می گردد | ازاں زماں کہ بدرگاہ عشق روست مرا

زخود تہی شدہ ام چوں نی وز نالہ پرم   خروش درد تو پیچیدہ در گلوست مرا

ہمیں تنہا نہ من در خاک وخوں غلطیدۂ اویم   نہاد آں زلف مشکیں بر زمیں ناف غزالاں را

شایستۂ برق است بہ صحرائے ملامت   خارے کہ بہ خوں تر نہ شد از آبلہ ما
پیرانہ سر آزادگی از عشق نداریم   پیچا شدہ در گردن ما سلسلۂ ما
اے بیخبراں پائے طلب رنجہ مسازید   نزدیک تر از ماست بما مرحلۂ ما
گر موج زند برلب ما تلخی عالم   ہرگز نہ زند چیں بہ جبیں حوصلۂ ما
یاراں سبکیسر رسیدند بمنزل   چوں نقش قدم ماندہ بجا قافلۂ ما
دستاں زن مستیم حزیں تا نفسے ہست   از عشق نکو نام بود سلسلۂ ما

تشبیہ جمیل اور استعارہ بلیغ نے لطافت معانی کو دوبالا کردیا ہے، آبلہ پا ہوکر حوصلہ بادیہ پیمائی اور پیرانہ سالی میں بھی وابستگی قابل داد ہے، سلسلہ دوامی میں مقید رہتے رہتے زنجیر کا رگ کی شکل میں منتقل ہوجانا، نہایت لطیف الخیالی کی طرف اشارہ کررہا ہے، ظاہر ہے کہ ضعیفی میں رگیں ابھر آتی ہیں تو گویا رگہائے گردن وہ "سلسلہ محبت" ہیں جس میں مدتوں گرفتار رہی، لہذا جب قید وبند کا تعلق فطرت جسمانی سے ہوگیا تو گویا اسکے یہ معنی ہیں کہ اسوقت بھی آزار محبت سے آزاد ہونا، ناممکن ہے، پانچواں شعر بہت یاس افزا ہے۔

حزیں نے خود اعتراف کیا ہے کہ انکی شاعری میں صوفیانہ فکر وعقاید کی روح مولانا روم کے فیوض وبرکات کی منت کش ہے، اس سلسلہ میں شیخ اور مولانا کی مفصلہ ذیل غزلیات کا موازنہ حقیقت کو اور واضح کردیتا ہے، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شیخ نے مولانا کی غزل پڑھنے کے بعد اپنے اشعار کہے ہیں

حزیں
بقید آب وگل اے جان ناتوان چونی
درین کہن قفس اے سدرہ آشیان چونی

رومی
دلا چہ بستۂ این خاکدان برگذران
ازین حظیرہ بردن پرکہ مرغ عالم جانی

حزیں
زلال خضر ترا سینہ چاک می طلبد
نفس گداختہ دنبال کاروان چونی
تو رشک یوسف مصری فتادہ درچہ تن
تو بار کنگر عرشی بہ خاکدان چونی،

رومی
ہمی رسد ز سموات ہر صباح ندایت
کہ رہ بری بہ نشانہ چو گرد رہ بنشانی
تو یار خلوت نازی مقیم پردہ رازی
قرار گاہ چہ سازی درین نشیمن فانی

حزین
تو شمع محفل انسی بہ تیرہ وحشت گاہ　　تو مرغ عالم قدسی ندیم مجلس انسی
رومی
تو زیب مسند قدسی بر آستان چونی　　دریغ باشد اگر تو درین مقام بمانی

خیالات مین جو توافق اور بیان مین ہم آہنگی ہے، محتاج بیان نہین، بعض جگہ ایسا توارد ہے کہ حزین کی جگہ کوئی اور ہوتا، تو مدح کی بجائے قدح ہوتی مگر اس سے تو انکار ہو ہی نہین سکتا کہ مولانا کی غزل کے زیر مطالعہ آنیکے بعد حزین نے اپنی غزل کہی،

محاسن کلام حزین

کلام حزین کی خصوصیات میں آپکی مضمون آفرینی، نازک خیالی، استعارہ آمیز و مجازی تعبیرات ہین آپنے اخلاقی درس بھی دیا ہے، لیکن کم، شیخ کی جس غزل کو لیجئے، اسکا ہر شعر ولولہ انگیز ہے، ابھی سامع ایک ہی شعر کی نازک خیالیون سے کافی طور پر لذت اندوز نہین ہو لیتا، کہ دوسرا شعر نظر کے سامنے آتا ہے جس مین حلاوت بیان. ندرت فکر جدت خیال اور سلاست عبارت پائی جاتی ہے، دل لوٹ جاتا ہے، پھر مسلسل ایسے ہی اشعار آتے ہین اور سامع پر ایک عجیب وجد انگیز کیفیت طاری ہو جاتی ہے، میرے اس دعوی مین حزین کی بدیہہ گوئی کی مثال پڑھیئے جو اگلی سطور مین لکھی جاچکی یا پھر "از زین حسرت کہ ہجرانے مبادا در کمین باشد" والی غزل پڑھئے، شیخ کے محاسن افکار کو عنوان ذیل کے ماتحت رکھ سکتے ہین

نازک خیالی

ز تاراج بہاران مست ورنگیں جلوہ می آئی　　حنا بود کہ جوشان خون گلزار است از دستت

پہلے محبوب کے دست حنا شدہ کا تصور شرط ہے، اب غور کیجئے کس لطیف طریقہ سے اس مہندی کے رنگ کو خون گلزار کی ریزش بتائی، رعایت لفظی بذات خود ہے، "تاراج بہاران" کو "بربادی عزیزان" سمجھ لیجئے اب معنی صاف ہے، کہ دست محبوب مین جو حنائی رنگ دیکھتے ہو وہ غالب مرحوم کے مرثیہ "انکے ناخن ہوئے محتاج حنا میرے بعد" کا نتیجہ نہین بلکہ یہ تو ان محویان الفت کا خون ہے جنھین تپش عشق نے درجۂ شہادت عطا کیا،

خرام ناز تو اے شوخ گل قیامت را　　بخاک عاشق خونیں کفن فرو ریزد

"عاشق خونین کفن" اور "گل" مین جو رعایت معنوی پائی جاتی ہے، وہ ظاہر ہے، قیامت تک خونین کفن عاشق کی قبر مین "خرام ناز" کا اثر قابل داد ہے، میرے خیال مین شیخ صاحب "عاشق خونین کفن" کے قبر کو "خرام ناز گل" کے بدل "رنگ گل" کا منت کش بتلاتے تو زیادہ اثر آفرین ہوتا، قبر عاشق مین خرام ناز کا اثر صرف عشقیہ عقیدتمندی ہے غالب بھی فرماتے ہین "خون ہے دل خاک مین احوال بتان پر یعنی"

مگر افگندہ لعل آبدارش از نظر می را　　کہ اشک حسرتے از دیدۂ پیمانہ می آید

معشوق کا لب لعلین سے پیالۂ شراب جدا کر دینا اور اس لئے دیدۂ پیمانہ سے اشک ریزی منظریہ شاعری ہے، اور مجھ جیسے "زاہد خشک" یا "پختہ وضع زاہد خام" سے اسکی تشریح ہو نہین سکتی، اور اگر صرف ایک فلسفی کی طرح صرف تصور اور

تخئیل سے کام لے کر نقشہ لفظی پیش کیا جائے، تو کہین حریفان وردِ آشام کی بارگاہ سے "باحبیب نشینی و بادہ پیمائی" کا فتوی نہ صادر ہونے لگے، جو کچھ بھی ہو، شیخ صاحب نے یہان بڑی لطافت تخئیل سے کام لیا ہے، قاعدہ ہے کہ جب پیمانہ شراب منہ سے جدا کرتے ہین، تو کچھ لب و دہن اور کچھ پیمانہ سے چھلک کر شیشہ کے بالائی سطح پر آجاتا ہے، اور وہ کنارہ پیمانہ سے قطرہ قطرہ ہوکر ٹپکتا ہے اب شعر کے الفاظ پر غور کیجئے، حزین نے پیمانہ کی یہ حالت دیکھکر نتیجہ نکالا ہے کہ پیمانہ کی یہ تراوش اسکی اشک ریزی ہے جسکی علت یہ ہے کہ محبوب نے اسے اپنے لب لعل سے جدا کر دیا ہے

تجلی زار می بینم سر خاک شہیدان را مگر شمعے بہ طوف مشہد پروانہ می آید

خاک شہدا کا تجلی زار ہو جانا اس بنا پر ہے کہ زندگی مین تو پروانے طواف شمع کیا کرتے تھے، اب انکے جلنے بجھنے کے بعد شمع ہی طوف پروانہ کرتے آرہی ہے

وحدت فی الکثرت

عکس یار است کہ دارد ہمہ جا جلوہ حزین چہرہ پرداز در آئینہ ایجاد یکے ست

یہ رنگ سخن رومی کی خصوصیات کلام مین ہے، ذات باری کے متعلق سورہ نور کی آیت حزین کے تخئیل کو واضح کر دیتی ہے، المصباح فی الزجاجۃ الخ

عالم عرفان

نقاب زلف زعارض اگر براندازی صنم ز طاق دل برہمن فرو ریزد

یہی تو موسی سے بنی اسرائیل نے بھی کہا تھا، لن نومن لک حتی نری اللہ جھرۃً فرق صرف یہ ہے کہ حزین کے یہان مسئلہ کا اثباتی رخ ہے، اور بنی اسرائیل کے یہان منفیانہ

مرقع حسرت

گل می شنود خندان نالیدن بلبل را از زاری ما جانان بیزار نباید شد

اخلاقی سبق

حزین کہ بیخبر از خود ز خود خبردار است ترا کہ باخودی از خود خبر نمی آید

فرامش می کند ما را بوصلت چون رسد قاصد شود بیگانہ از یاران دنی چون دولتے یابد

تتمہ حالات و کلام شیخ محمد علی حزین

ابھی تک شیخ کے حالات زندگی اور تنقید کلام کے متعلق مینے کلیات حزین مطبوعہ نولکشور کا ایک پرانا نسخہ سامنے رکھکر اور صرف اپنی کاوش و جستجو اور ذوق تنقید پر اعتماد کرکے لکھا ہے، لیکن شیخ کی شخصیت اس امر کی متقاضی ہے کہ اسے صرف انفرادی رائے پر منحصر نہ رکھا جائے، لہذا ضرورت ہوئی کہ تاریخ اور سیرت کے متعلق ان کتابون کی ورق گردانی کی جائے جو شیخ کے عہد مین لکھی گئین یا بعد مین لکھی گئین لیکن مصنف نے واقعات کی ترتیب اور کلام پر رائے زنی کرنے مین اپنی صحت ذوق اور نکتہ شناسی کا ثبوت دیا ہے، اس سلسلہ مین مفصلہ ذیل کتابین خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہین جن کے مطالعہ کرنیکے بعد شیخ [illegible] کی زندگی

سامنے آجاتی ہے، جب وہ ہندوستان کی مذمت مین سرگرم اور اسکے بعض ارباب سخن سے برسرمجادلہ تھے، اور اخیر عمر تک یہی حالت قایم رہی۔

ماخذ اور بعض تذکرون پر تنقید تذکرہ شعرائے فارس کے سلسلہ مین تقریبًا چالیس کتابین پائی جاتی ہین جن کے قلمی نسخے اورنیٹل لائبریری پٹنہ مین موجود ہین، ان مین چند تذکرون کے سوا جن مین تذکرہ شعرا دولت شاہ، عرفات العاشقین مصنفہ تقی اوحدی البلیانی اور نفحات الانس جامی بھی شامل ہین، قریب قریب تمام تذکرون مین شیخ حزین کے متعلق کم وبیش تاریخی اور تنقیدی واقعات ملتے ہین، لیکن تاریخی واقعات کی جستجو مین معاصرین کے بیانات ترجیحی پہلو رکھتے ہین، لہذا ریاض الشعرا مصنفہ علی قلی خان واغستانی متخلص بہ والہ، مجمع النفایس مصنفہ سراج الدین علی خان آرزو ید بیضا مصنفہ غلام علی آزاد بلگرامی کی اہمیت نظرانداز نہین کیجا سکتی، یہ تینون ارباب فضل وکمال شیخ کے معاصر تھے، صرف یہی نہین بلکہ شیخ کیساتھ والہ واغستانی اور آزاد بلگرامی گہرے تعلقات تھے، شیخ جب ہندوستان مین تشریف لا رہے تھے، تو اتفاقًا والہ واغستانی بھی ساتھ ہوگئے، اور بندر عباس تک دونو کا ساتھ رہا، دہلی مین آئے تو کچھ دنون والہ کے یہان شیخ ٹھرے بھی اور جب لاہور مین زکریا خان بہادر دلیر جنگ صوبہ دار نے شیخ کی ایذا رسانی کا ارادہ کیا، تو والہ نے اپنے بھائی حسن قلی خان کاشی کو جو محمد شاہ کی طرف سے نادر شاہ کے دربار مین سفیر بن کر گئے تھے، اور اس زمانہ مین لاہور کے اطراف مین پہونچ چکے تھے لکھا کہ شیخ کو ساتھ لیتے آئین چنانچہ خان موصوف شیخ کو صحیح سالم ساتھ لائے[۱]، غلام علی آزاد بلگرامی جب سیوستان سے واپس آرہے تھے، تو شہر بھکر مین شیخ سے ملاقات ہوئی، اور پر لطف صحبتین رہین، اسی عارضی ملاقات مین شیخ جیسے نازک مزاج فارسی الاصل مرایسے ہندی نژاد ادیب سے کچھ ایسے مالوف ہوگئے کہ اپنے قلم سے اپنے چند اشعار لکھکر آزاد بلگرامی کو روانہ کئے، وہ اشعار یہ تھے[۲]

پیش از ظہور جلوۂ جانانہ سوختیم　　آتش بہ سنگ بود کہ ما خانہ سوختیم

نگرد دغرق طوفان کشتی بے لنگر عاشق　　بود دریا نمک پروردۂ چشم تر عاشق

بہ جلوہ ہائے رسا سرفراز می آئی　　مگر ز غارت عمر دراز می آئی
گہر بہ خلوت خاص صدف نمی آید　　چنین کہ در دل اہل نیاز می آئی

جب آزاد مرحوم ید بیضا لکھ رہے تھے تو شیخ دہلی مین تھے

سراج الدین علی خان آرزو ہندوستان مین شیخ کے ادبی معرکہ آرائی کے حریف مقابل تھے، دہلی مین دونو کا ساتھ رہا ممکن ہے شیخ کی نازک مزاجیون اور جذبات انانیت نے خان آرزو کو صحبت شیخ سے روکا ہو لیکن دوہم مذاق معاصرین کا ایک ہی شہر میں

---

[۱] ریاض الشعرا جلد اول [۲] ید بیضا۔

رہنا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ دونون نے ایک دوسرے سے ملاقات کی ہو، خان آرزو، ایک ہندوستانی تھے اور شیخ کے حریف مقابل لہذا شیخ کی اس ہجویہ شاعری کی داد نہین ضرور دینا تھی جس نے خان آرزو اور شیخ کی زندگی کو لازم و ملزوم کر دیا اور ایک تذکرہ نویس کے لئے ناممکن ہے کہ شیخ کے حالات زندگی بیان کرتے ہین، وہ خان آرزو کا تذکرہ نظر انداز کر دے، اس سے میری مراد خان آرزو کی کتاب تنبیہ الغافلین ہے، جسے خان موصوف نے شیخ حزین کی ہجویہ شاعری (متعلقہ ہند) کے جواب مین لکھا ہے آیندہ سطور مین، مین یہ بتاؤنگا، کہ خان آرزو نے تنبیہ الغافلین لکھتے وقت جب شیخ دہلی مین تھے، تو کونسا لب و لہجہ اختیار کیا تھا[2]، اور جب وہ مجمع النفائس لکھ رہے تھے اور شیخ بنارس مین جاکر عزلت گزین ہوگئے تھے تو خان آرزو کے خیال مین کیسی بے باکی، اور اظہار مین کیسی حریت آگئی تھی[3]۔ مجمع النفائس، ریاض الشعراء کے بعد کی تصنیف ہے بعض ایسی باتین جو متذکرہ بالا تذکرون مین نہین پائی جاتین مینے غلام ہمدانی متخلص بہ مصحفی کی کتاب عقد ثریا اور مخزن الغرائب مصنفہ احمد علی ہاشمی سندیلہ سے لی ہین، لیکن باوجود کاوش تاریخ کی کتابون سے مصحفی کی روایت کی تصدیق نہوسکی، عہد محمد شاہی کی تاریخ مین شیخ حزین کا تذکرہ نہین پایا جاتا، عہد محمد شاہی کے ایک اہل قلم نے "تاریخ محمد شاہ" کے نام سے، محمد شاہ کی حکومت کے ابتدائی عہد کی تاریخ لکھی ہے، جو پٹنہ اورنٹیل لائبریری کی فہرست کتب فارسی مین نمبر ۱۳۴ کے مقابل مندرج ہے، یہ قلمی نسخہ میری نظر سے گزرا، مصنف نے دیباچہ مین لکھا ہے کہ مینے یہ کتاب اپنے ایک دیرینہ یاری دوست (جنکا نام بھی مندرج ہے) کی فرمایش سے لکھی ہے، اس مین حزین کا تذکرہ نہین ہے، ہاشم مخاطب بہ خافی خان نے منتخب اللباب نامی ایک کتاب لکھی، اور بابر سے لیکر محمد شاہ کے زمانہ تک تمام تاریخی واقعات قلمبند کئے، یہ عہد مغلیہ کی ایک نہایت مستند اور معتبر تاریخ ہے، لیکن باوجود ورق گردانی اس مین حزین کے متعلق ایک لفظ بھی نہ مل سکا، اسی طرح محمد علی خان انصاری (مصنف بحر المواج) نے تاریخ مظفری کے نام سے عہد مغلیہ کی ایک قابل قدر تاریخ لکھی اور اس مین تذکرہ شعراء کے متعلق ایک عنوان قایم کرکے شعرائے متقدمین اور متاخرین پر ایک سرسری نظر ڈالی چنانچہ اس ضمن مین ابوالعلا گنجوی اور خاقانی کے تعلقات، شاہ اسمعیل کے ساتھ امیر معزی (شاعر) کا عشق، اور تیر کھا کر جان دینا عہد اکبری مین محمد حسین نظیری کا ورود ہند، ابراہیم عادلشاہ کی سلطنت اور فارس سے نور الدین ظہوری کی آمد فیضی اور عرفی کے مطائبات، تمام واقعات پر روشنی ڈالی لیکن حزین کا تذکرہ نہین طرفہ یہ کہ شیخ حزین کے حریف مقابل سراج الدین علی خان آرزو کے حالات زندگی اور تصنیفات کے متعلق کسی قدر تفصیلی واقعات لکھے، لیکن وہان بھی حزین کے متعلق ایک لفظ نہ لکھا، الغرض عہد محمد شاہی کی ان تمام تاریخی کتابون مین حزین سے بے التفاتی کی گئی، براؤن نے لٹریری ہسٹری آف پرشیا جلد ۳ مین ایک جگہ مسلسل، اور دو تین جگہ سرسری طور پر حزین کے کلام اور زندگی پر تبصرہ کیا ہے، براؤن کے نزدیک سنہ ۱۵۰۰ء سے سنہ ۱۸۰۰ء تک فارس کی تمام تاریخ مین نہایت خشک ادبی دور رہے، اس زمانہ مین اگر کوئی مشہور کلام منصہ شہود پر

[1] ریاض الشعراء [2] دیباچہ تنبیہ الغافلین [3] مجمع النفائس

آیا تو وہ ہاتف اصفہانی کا ترجیع بند ہے، جسکے متعلق پروفیسر موصوف نے ایک عالمانہ بحث کی ہے، اور نمونۂ کلام پیش کیا ہے، اسکے بعد براؤن لکھتے ہین کہ اس دور کے تاریخی حالات ہملوگ دو نہایت مستند اور کامل اہل قلم کے زبانون مین پاتے ہین، یہ شیخ محمد علی حزین اور لطف علی بیگ متخلص بہ آذر ہین، دونو شاعر تھے اور سابق الذکر بڑے پایہ کے شاعر تھے چونکہ انھون نے اپنے کلام کے تین یا چار دیوان مرتب کئے تھے، اسکے بعد پروفیسر صاحب اپنا ذاتی خیال لکھتے ہین کہ ہملوگون کے نقطۂ نظر سے انکی نثر نگاری نظم سے زیادہ قابل وقعت ہے، ۱۱۳۵ھ مین شیخ حزین نے مدت العمر نام سے شیخ بہاؤ الدین عاملی کے کشکول کی طرح ایک مجموعہ تیار کرنا شروع کیا، لیکن افغانون کے ہاتھ سے اصفہان کی غارتگری مین شیخ کے کتبخانہ کے دوسری کتابون کی طرح یہ نسخہ بھی ضایع ہوگیا، اسکا ایک نسخہ برٹش میوزیم مین ہے، پروفیسر موصوف نے دوسری جگہ خاندان صفویہ کے عروج و زوال کی تاریخ سے بحث کرتے ہوئے علی حزین کے بعض خیالات کا (جو انہون نے تذکرۃ الاحوال مین ظاہر کئے ہین) جونس ہینوے کی کتاب "بحر اخضر مین برطانوی تجارت کی تاریخی سرگزشت،" اور کروسنسکی کی کتاب "تاریخ انقلاب فارس" کے نظریات سے موازنہ کیا ہے۔

اس ابتدائی عرصہ کے طے ہوجانے کے بعد اب مین بہ عنوان ذیل اُن واقعات پر روشنی ڈالنا چاہتا ہون جن کے متعلق حزین نے اپنے تذکرہ مین یا تو ذکر ہی نہین کیا یا تفصیل سے نہین لکھا، دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ شیخ حزین نے اپنا تذکرہ ۱۱۵۴ھ مین ختم کیا اور مندرجہ ذیل واقعات مابعد کی تصنیف مین ملتے ہین

شیخ زاہد الجیلانی کی شخصیت

اگلے اوراق مین لکھا جاچکا ہے، کہ شیخ نے اپنے اجداد کے سلسلہ مین زاہد الجیلانی کا تذکرہ کیا ہے اور اسکے متعلق مزید واقعات نہین لکھے، تذکرہ نویسون نے بھی عموماً اس طرف توجہ نہین کی، صرف براؤن کی کتاب لٹریری ہسٹری آف پرشیا جلد ۳ اور مجمع النفائس جلد اول مین اس مسئلہ پر روشنی ڈالی گئی ہے شیخ صفی الدین اسحق بن شیخ امین الدین جبرئیل الموسوی، سلسلہ صفویہ (حکمرانان فارس) کے مورث اعلیٰ تھے، آپکا نسب حضرت موسیٰ کاظمؑ سے ملجاتا ہے[۱]، آپکا وطن اردبیل تھا[۲]، حزین کے جد امجد حضرت شیخ زاہد الجیلانی حضرت صفی الدین کے پیرومرشد تھے

---

[۱] عرفات العاشقین مصنفہ تقی اوحدی البلیانی (قلمی نسخہ اورینٹل لائبریری پٹنہ) ہفت اقلیم امین احمد رازی (قلمی)

[۲] آردبیل کا بانی کیانی خاندان کا مشہور بادشاہ کیخسرو بن کیکاؤس ہے یہ شہر کوہ سیلان کے دامن مین واقع ہے، یہاں کی آب وہوا بہت سرد ہے، یہان کوہ سیلان سے پانی آتا ہے، جو بہت ہاضم ہوا کرتا ہے، یہی وجہ ہے کہ یہانکے آدمی بڑے کھانیوالے ہوتے ہین، یہانکے اکثر باشندے مذہب شافعی کے پیرو اور شیخ صفی الدین کے مرید ہین کوہ سیلان کے اوپر ایک مضبوط قلعہ ہے، جسے "در بہمن دژ رویین،" کہتے ہین، فردوسی شاہنامہ مین لکھتا ہے کہ جب کیخسرو اور فریا برز مین بادشاہی کیلیئے نزاع ہوا تو اسی قلعہ کی فتح پر فیصلہ قرار پایا فرابرز اسے فتح نہ کرسکا کیخسرو نے فتح کرلیا اور بادشاہی اسی کو ملی

(نزہت القلوب حمد اللہ المستوفی قلمی نسخہ)

چنانچہ خان آرزو یا تقی اوحدی نے جہان اپنے تذکرہ مین شیخ صفی الدین کا ذکر کیا ہے، وہان یہ لکھا ہے، کہ گو تاریخ سے ثابت نہین کہ آپنے شعر گوئی کی ہو لیکن (یہ) اشعار آپکی طرف منسوب ہین[1] اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حزین کے جد امجد حضرت زاہد الجیلانی کی کیا شخصیت تھی؟

حزین کا موطن آبائی اور اسکی جغرافی حالت

شیخ "اصفہانی" مشہور ہین لیکن آپکا آبائی موطن لاہجان تھا، جسکی تصریح گزشتہ اوراق مین ہو چکی ہے، شیخ نے تذکرۃ الاحوال" مین صرف یہ لکھا ہے کہ یہ گیلان کے شہرون مین سے ایک شہر ہے، لیکن عوام کو خود گیلان کے متعلق بھی کم واقفیت ہے، لہذا ضروری ہے کہ گیلان کے جغرافی حالت کے متعلق چند سطور لکھدیئے جائین

صاحب عجائب البلدان لکھتے ہین:-

"گیلان ولایتیست نزدیک بہ قزوین و بحر خزر در جانب شمال آنست رودہا و اشجار ہا بسیار دارد و باران بسیار شود، و گویند تا چہل شبانہ روز آنجا باران منقطع نشود و چون باران بسیار شود در شب بانگ شغال بشنوند و بعد ازان بانگ سگ، مردم یک دیگر را بشارت دہند بہ انقطاع باران و این بسیار بہ تجربہ معلوم شدہ است"

عجائب البلدان مین لاہجان کا تذکرہ نہین پایا جاتا، لیکن امین رازی نے ہفت اقلیم مین گیلا ان کے ماتحت لاہجان کا بھی تذکرہ کیا ہے۔

"گیلان ایک ولایت ہے، جسکے اطراف مین پہاڑیون کا ایک سلسلہ ہے، وہان تقریباً تین ماہ تک پانی برستاہے، یہانکے لوگ اپنی اصطلاح مین دریا کو "سپید رود" کہتے ہین اور چونکہ سپید رود گیلان کے درمیان مین جاری ہے، اسلئے اسے دو حصون مین تقسیم کر دیتا ہے، ایک حصہ کو "پیشہ پیش" اور دوسرے کو "پیشہ پس"، کہتے ہین، سابق الذکر حصہ کا دار الملک لاہجان ہے جو ایک آباد اور گنجان شہر ہے، دوسرے حصہ مین شہر رشدہ آباد ہے، جسے زشت بھی کہتے ہین"

اسکے بعد امین رازی نے وہان کے طرز معاشرت کے متعلق ایک مختصر تبصرہ کیا ہے، لکھتے ہین کہ وہانکی لڑکیان بڑی شوخ اور طناز ہوا کرتی ہین، اور بازارون مین ایک ادائے بے باکانہ کیساتھ محو خرام ناز رہتی ہین، جب کوئی شخص کسی لڑکی کا خواستگار ہوتا ہے، تو وہ پھر بازار مین نہین آتی، مولانا گیلانی فرماتے ہین۔

دختر انے کہ ساکن رشت اند ہمچون طاؤس مست می گردند
طلب مشتری بہ ہر بازار بند تنبان بدست می گیرند

[1] مجمع النفائس جلد دوم عرفات العاشقین جلد دوم [2] ہفت اقلیم مصنفہ امین احمد رازی کا قلمی نسخہ)

شاہی وظیفہ اور ملاقات حزین کیلئے محمد شاہ کی تشریف آوری

حزین نے اپنے تذکرہ مین کہین یہ واقعہ نہین لکھا اسکے راوی صرف ایک تذکرہ نویس، غلام ہمدانی متخلص بہ مصحفی ہین، انکے علاوہ کسی دوسرے تذکرہ نویس نے اس واقعہ پر روشنی نہین ڈالی، حزین دہلی مین عمدۃ الملک امیرخان کے دولتکدہ پر ٹھیرے ہوئے تھے اسوقت خود محمد شاہ حزین سے ملنے آئے لیکن حزین نے ملنا پسند نہ کیا۔

بارہا فردوس آرامگاہ خواستند کہ آن بزرگ را پیش خود طلبیدہ حظے از کلام وے بردارند زنہار قبول نہ کرد، چون استغنائے مزاج وے بر بادشاہ عالم پناہ باحسن وجہ ہویدا شد خود یک دو بار سوار شدہ قصد منزلگاہش کرد شیخ از آمد آمد اطلاع یافتہ بہ بہانہ بہ زیارت خواجہ قطب الاقطاب بختیار کاکی پیش از آمدن بادشاہ سوار شدہ در رفت چون کرہ چنین اتفاق افتاد ملاقی الطرفین فیمابین صورت نہ گرفت با لاخر بہ سبب منادی کشتن از زبان سخن چینیان و غوغائے حریفان از دہلی بر آمدہ در بنارس رفتہ کنج عزلت اختیار نمود"[1]

ایک دوسری روایت احمد علی ہاشمی سندیلہ بیان کرتے ہین،

عمدۃ الملک نواب امیرخان خبر مقدم شیخ یافتہ برائے ملاقاتش رفت و شیخ را بہ نیاز تمام مہمان خود ساختہ، خدمت نیکو بہ تقدیم رسانیدہ ملازمت بادشاہ کنانیدہ جاگیر مبلغ چہل ہزار روپیہ نزدیکی اکبرآباد برائش گرفت از مردم ثقہ شنید کہ بادشاہ مزبور مبلغ پنج لک روپیہ بہ معرفت نواب مزبور بہ شیخ عطا فرمودہ[2]

لیکن ساتھ ہی مجمع النفائس مین سراج الدین علی خان آرزو لکھتے ہین،

در وقتیکہ عمدۃ الملک امیرخان بہادر مرحوم از الہ آباد بہ حضور آمد شیخ بہ توقع قدرشناسی رجع القہقری نمودہ بہ شاہجہان آباد باز آمد و چندگاہ دیگر مثل کیمیا و عنقا متوازی درین شہر بود و غرض گمنامی اشتیاق افزائی مردم است دلیش چون بخت مدد و اقبال یاوری کرد عمدۃ الملک قریب بست لک دام جید از بادشاہ برائے او گرفت پس بہ جمعیت می گزرانید[3]

ان تینون مختلف روایات کی تطبیق بہ ظاہر بہت مشکل ہے، نہ معلوم مصحفی نے یہ واقعہ کہان سے لیا، حزین نازک مزاج سہی لیکن ایسے بے نیاز نہ تھے، کہ بادشاہ تشریف لائین اور وہ ملاقات سے اعراض کرین یہ تو ایک تارک الدنیا درویش کر سکتا ہے، نہ کہ ایک شاعر، ہان خسرو دہلوی نے درباری تعلق سے علیحدگی کرلی[4]، خاقانی نے منوچہر شروان شاہ کی ملازمت ترک کردی[5]، لیکن یہ سوقت جب محبت الٰہی کا جوش پیدا ہوا اور عزلت نشینی کی طرف طبیعت مائل ہوئی، حزین کی زندگی نے ہنوز یہ پہلو اختیار نہین کیا تھا، لہذا

---

[1] عقد ثریا [2] مخزن الغرائب جلد اول (قلمی)، [3] مجمع النفائس جلد اول [4] تاریخ فرشتہ [5] صحف ابراہیم مصنفہ عز الملک متخلص بہ خلیل (قلمی)۔

معلوم ہوتا ہے، حزین نے ثقہ شخص سے روایت نہین لی، اسکے علاوہ صاحب مخزن الغرائب سے اسکی تردید بھی ہو جاتی ہے، چونکہ حزین عمدۃ الملک سے ملے انکے یہان ٹھیرے، انھون نے بادشاہ سے ملایا، دربار سے وظیفہ دلایا، خان آرزو کی روایت سے طنز کی بو آتی ہے، جو رشک سے خالی نہین، خان آرزو کے نزدیک شاہجہان آباد مین حزین اسلئے آئے کہ امیر خان قدر کرینگے حالانکہ صاحب مخزن الغرائب کی روایت بھی یہی ہے، لیکن انھون نے اسی واقعہ کو دوسرے پہلو سے بیان کیا ہے، اور خان آرزو نے اپنے جذبہ عنادمین واقعہ پر دوسرے پہلو سے روشنی ڈالی ہے، جس سے حزین کی خفت اور سبکی مقصود ہے، حزین دوبارہ شاہجہان آباد مین آئے ضرور لیکن یہ کیا ضرور ہے، کہ امیر خان کی قدر شناسی ہی کی امید مین آئے معلوم ہوتا ہے، میر خان نے جو قدر شناسی کی وہ خان صاحب موصوف کو گران گزری اور آپکا یہ جذبہ ایک رشک آمیز حسرت کیساتھ اس ادائے بیان سے ظاہر بھی ہوتا ہے،

"چون بخشش واقبال یاوری کرد عمدۃ الملک قریب بیست لک دام جیداز بادشاہ برائے او گرفت پس بہ جمعیت می گزرانید"

آخری جملہ مین جو جذبہ کار فرما ہے، ارباب بصیرت سے مخفی نہین، اگر امیر خان حزین سے ملے انھین اپنا مہمان کیا بادشاہ سے انکی ملازمت کرائی، وظیفہ مقرر کرا دیا تو اس سے یہ نتیجہ کہان نکلتا ہے، کہ حزین ایک گداگر کی طرح ہاتھ پھیلائے ہوئے دہلی دوڑے آئے، خان آرزو ایک بڑے پایہ کے ادیب اور مستند راوی ہین، اور یہی وجہ ہے کہ واقعہ انھون نے یون بیان کر دیا کہ دوسرے تاریخی روایات سے تضاد نہو لیکن نتیجہ ایسا نکالا، کہ عوام مین غلط فہمی پیدا ہو جائے، احمد ہاشمی کی روایت کا بھی ملخص وہی ہے، جو خان آرزو نے لکھا ہے لیکن استنتاج مین دونون نے دو راہین اختیار کی ہین

ہندوستان کی ہجو اور ارباب کمال سے معرکہ آرائی

گزشتہ اوراق مین امین شیخ کے ان ہجویہ خیالات پر روشنی ڈال چکا ہون جو انھون نے تذکرہ مین ہندوستان اور اہل ہندوستان کے متعلق ظاہر کئے تھے، قیاس اور رائے کی بنا پر انکے اسباب پر بھی ایک حد تک روشنی ڈال چکا ہون، والہ داغستانی اور خان آرزو نے اسکے متعلق شرح و بسط سے بحث کی ہے، مین نے صرف قیاس پر اعتماد کر کے نتیجہ نکالا تھا، عجیب اتفاق ہے کہ بعض واقعات کی تائید جنکے ماتحت مینے بحث کی تھی، تذکرون سے بھی ہو جاتی ہے مینے تین عنوان کے ماتحت بحث کی تھی، لسانی انقلاب، سیاسی پیچیدگی اور مذہبی اختلاف،

صاحب مجمع النفائیس لکھتے ہین:-

"کسے چنانکہ قدر او باید دران وقت نہ شناخت۔ نادرشاہ در دہلی مسلط شدہ بود و شہر دہلی بہ تصرف قشون او در آمدہ، (حزین) در گوشہ خزیدہ بود بعد رفتن افواج شاہی باز ظاہر شد،

پھر فرماتے ہین:-

"از اینکہ طبع ناساز۔ دار و دشمن و غربت۔ رو دیگر۔ ان اسف"

میرے ایک عنوان سیاسی پیچیدگی کی تو خان آرزو کے خیال سے تائید ہوگئی خان موصوف نے دوسری وجہ یہ بتائی ہے کہ شیخ خشک طبع، اور ناملنسار تھے ہی اسوجہ سے لوگ انکی طرف زیادہ متوجہ نہین،

خان آرزو نے یہ خیال کسی معاندانہ جذبہ مین نہین ظاہر کیا ہے بلکہ والہ داغستانی بھی جو شیخ کے دوست اور ندیم تھے، فرماتے ہین :-

بادشاہ وامرا و سائر ناس کمال محبت و مراعات نسبت بہ وے مرعی می دارند لیکن از انجا کہ مروت جبلی و انصاف ذاتی شیخ است عموم اہل این دیار از بادشاہ و امرا وغیرہ ہجوہائے رکیک کہ لایق شان شیخ نبودہ، نمودہ ہر چند اورا ازین ادائے زشت منع کردم فایدہ نہ بخشید تا حال در کار است لابد بپاس نمک بادشاہ و حق صحبت امرا و آشنایان بے گناہ گریبان گیر شدہ ترک آشنائی و ملاقات آن بزرگوار نمودہ[1]

روایت بالا سے ظاہر ہے کہ والہ داغستانی کے نزدیک بھی شیخ ایک بے مروت انسان ہین اور انھون نے نہایت بے انصافی کے ساتھ ہندوستانیون کی مراعات کا یہ جواب دیا، کہ ہجو کہنے لگے، والہ داغستانی نے انھین اس سے منع کیا لیکن شیخ اس پر بھی باز نہین آئے، آخر کار والہ کو بھی اسکا رنج ہوا، اور انھون نے شیخ سے ترک تعلق کر لیا، چنانچہ اسپر خان آرزو نے چٹکی لی۔ فرماتے ہین:

.... عالی جاہ خان شفقت نشان علی قلی خان داغستانی کہ معتقد و مخلص حزین است و حالا سورۂ براۃ دوستی شیخ حفظ کردہ[2] ....

والہ اور خان آرزو کے خیالات کی تائید، خود شیخ کے ملفوظات اور کلام سے بھی ہو جاتی ہے، چنانچہ جہان اپنے والد کی وفات کا تذکرہ فرماتے ہین وہان انکی اس وصیت کو بھی نہایت اہمیت سے لکھا ہے، کہ "ہر چند اوضاع دنیا را بر وفق مرام نہ بینی تبعیت و دنبالہ روی اختیار نہ کنی" عالم سے بے نیازی، خلق ظاہری کی افسردگی زود رنجی، بے محابا اظہار خیال یہ تمام باتین شیخ کی سیرت مین داخل تھین، جسکا ایک پہلو مفصلہ ذیل اشعار سے بھی نمایان ہو جاتا ہے،

حریف عیش جہان بے دماغ می ماند | پیالہ می رود از دست و داغ می ماند
بہ سفلہ عالم افسردہ باد ارزانی | خزان چون گشت گلستان بہ زاغ می ماند
زخوے آتش عشق غیور بوالعجبی است | کہ آشیانۂ بلبل بہ باغ می ماند

ہندوستان اور اہل ہندوستان پر عمومی حیثیت سے شیخ نے جو اپنے ہجو یہ خیالات کا اظہار کیا ہے وہ ایک حد تک مفصلہ ذیل اشعار مین بھی موجود ہے

بہ ہند گشتہ زمین گیر ناتوانی ما | رسیدہ است بہ شب روز زندگانی ما

---

[1] ریاض الشعرا قلمی نسخہ (اورنٹیل لائبریری پٹنہ) [2] مجمع النفائس جلد اول (قلمی نسخہ)

سواد ہند خاطر خواہ باشد بے کمالاں را
نماید خانۂ تاریک روشن چشم عریاں را

ز ہند تیرہ دل چون شمع روشن گر بروں رفتم
بپائے خود باین بزم آمدم از سر بروں رفتم

نہ گشت آلودۂ پستی ہمت دامن پا کم
ازین عالم چون خورشید بلند اختر بروں رفتم

بہ من نگذاشت دوران سبک سر قوت پائے
چون موج از سینہ زین دریائے بے لنگر بروں رفتم

چون شمع بزم کوران تا بکے بیہودہ بگذارم
حزین از کشور گردون دون پرور بروں رفتم

صرف یہی نہین بلکہ عمومیت سے گزر کر شیخ نے ذاتی حملے بھی کئے، جسکا نتیجہ یہ ہوا، کہ خان آرزو نے ایک رسالہ مسمی بہ تنبیہ الغافلین لکھا اور شیخ کے کثیر التعداد اشعار کے نقایص لفظی و معنوی پر عالمانہ بحث کی چنانچہ والہ داغستانی لکھتے ہین۔

بعض از غیوران این مملکت کمر انتقام بستہ، تیغ ہجا بروئے کشیدہ در نظر ارباب خرد خفیفش کردند، از جملہ سراج الدین علی خان آرزو کہ از شعرائے این شہر است و در فضیلت و سخنوری گوئے از میدان ہمگنان می رباید اشعار غلط بسیار از دیوان شیخ برآوردہ رسالہ مسمی بہ تنبیہ الغافلین نوشت و ابیات مزبور را یک یک ذکر کردہ تعریضات نمودہ[۱]

اسی طرح میر محمد عظیم ثبات ابن میر افضل ثابت نے شیخ کے دیوان سے بروایت والہ داغستانی پانچسو اور بروایت خان آرزو دو سو ابیات نقل کئے اور انکے مقابلہ مین متقدمین کے اشعار پیش کرکے بتایا کہ شیخ نے سرقہ کیا ہے[۲] ان مین زیادہ تر صائب کے اشعار پائے جاتے ہین جنھین میر عظیم ثبات نے حزین کا ماخذ قرار دیا ہے، اسکی رویداد دو طریقہ سے بیان کیجاتی ہے، والہ داغستانی کا بیان ہے کہ کسی شخص نے ایک موقعہ پر میر افضل ثابت کا کوئی شعر لکھکر شیخ سے پوچھا، شیخ نے جواب دیا کہ مضمون جو گرا ہوا ہے وہ تو درکنار ہے، یہ فلان شاعر کا خیال ہے، جس سے میر افضل نے سرقہ کیا ہے، میر عظیم نے یہ رقعہ دیکھ لیا انکی رگ حمیت جوش مین آئی اور انھون نے بھی شیخ کے کلام کی نظیرین پیش کین، اور بتایا کہ ان مین فلان فلان متقدمین سے سرقہ کیا گیا ہے[۳]، لیکن خان آرزو فرماتے ہین کہ جب نواب شیر افگن خان پسر غیرت خان، میر محمد افضل کی شاگردی مین داخل ہوئے تو انھون نے نگینہ مین یہ

سنہ ۱۱۴۶ مین شیخ نے سفر ہندوستان کیا، اور سنہ ۱۱۸۰ مین وفات پائی، یہ درمیانی زندگی ہندوستان مین گزری تاریخ سے پتہ نہین چلتا کہ انھون نے ہند سے فارس کا سفر کیا ہو، لیکن براؤن نے بلغور کے ترجمہ "تذکرۃ الاحوال" کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حزین نے تہیہ کر لیا تھا کہ فارس کے سیاسی انقلاب اور اختلال کے باوجود، ہند سے لوٹ جائین (لٹریری ہسٹری آف پرشیا جلد ۴ ورق ۲۷۷) چونکہ شیخ نے تذکرۃ الاحوال سنہ ۱۱۵۴ مین تمام کیا لہذا نتیجہ نکلتا ہے، کہ یہ اشعار اسی زمانہ مین کہے کیونکہ اسکے بعد وہ فارس جانیکے بجائے بنارس مین چلے گئے[۲] ریاض الشعراء[۳] خان آرزو نے صرف تذکرہ کر دیا ہے، لیکن ریاض الشعراء مین یہ اشعار بھی مندرج ہین[۴] ریاض الشعرا۔

مصرعہ کندہ کرایا تھا۔ ۵

شیر افگن خان مرید ثابت اوست

جب میر افضل کا انتقال ہو گیا تو خان موصوف نے شیخ علی حزین کی شاگردی اختیار کر لی اور ایسے معتقد ہوئے کہ خان آرزو لکھتے ہین "اعتقادے کہ ما فوقش متصور نبودہ بہم رسانید" یہی وجہ ہوئی کہ میر محمد عظیم نے تعصب مین آکر شیخ کے کلام پر رد و قدح کی اور دو سو ابیات کو متقدمین کے کلام کا مسروقہ بتایا۔ شیخ نے اہل کشمیر پر بھی تعریضین کین، چنانچہ وہ بھی شیخ سے الجھے اور انھون نے مقابلہ کے لئے ساطع وغیرہ کو مستعد کیا۔ ۵۱

خان آرزو کی تنبیہ الغافلین پر ایک سرسری تبصرہ

خان آرزو نے جب تنبیہ الغافلین لکھی شیخ دہلی مین تھے، اور یہی وجہ ہے کہ خان آرزو کا لب و لہجہ بھی ایسا نرم تھا، گو یا وہ شیخ کے سامنے مؤدبانہ بیٹھے ہین، اور اپنے شکوک رفع فرما رہے ہین کہا جا سکتا ہے کہ خان صاحب موصوف کا یہ حسن اخلاق تھا کہ انھون نے یہ ادائے بیان اختیار کیا لیکن مین کہونگا کہ نہین یہ شیخ کے کمالات کا رعب اور اسکی شخصیت کا اثر تھا اور یہ خیال اس واقعہ سے اور بھی پایہ ثبوت کو پہونچ جاتا ہے، کہ خان آرزو مجمع النفائس لکھ رہے تھے اسوقت شیخ بنارس مین اقامت گزین ہو گئے تھے جب بار رعب حریف سامنے سے ہٹ گیا اور اسکی ہیبت کا اثر دل سے کم ہو گیا تو خان صاحب موصوف کے خیالات مین ایسی جرأت آگئی کہ گو یا وہ حزین کو ایک ناقابل **التفات چیز** تصور کرتے ہین اگر حسن اخلاق کے اثر سے خان صاحب نے تنبیہ الغافلین مین اس ظاہر دارانہ استرشاد، اور ملمع آمیز انکسار کا اظہار کیا تھا تو اسکا موقعہ ہر وقت تھا، خان صاحب نے مجمع النفائس مین حزین کے متعلق جو ادائے بیان، اظہار خیال، لہجہ طنز اختیار کیا ہے اسے دیکھنے کے بعد خان صاحب کے ساتھ تنبیہ الغافلین کے دیباچہ کی نسبت اتہام سے زیادہ حیثیت نہین رکھتی یا پھر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شیخ حزین ایسی بارعب شخصیت رکھتے تھے، کہ انکی موجودگی مین خان آرزو جیسے بلند پایہ شاعر اور نکتہ رس عالم بھی "حریف جوشش دریا نہین خود داری ساحل" کا مصداق تھے۔

خان آرزو تنبیہ الغافلین کے دیباچہ مین لکھتے ہین:۔

"درین ایام مطالعہ دیوان بلاغت بنیان جناب فصاحت مآب شعرائے اوج نکتہ پردازی دبیر فلک سخن سازی بقیۃ السلف حجۃ الخلف، نتیجہ متقدمین و خاتم متاخرین شیخ محمد علی متخلص بہ حزین کہ تخمیناً از مدت دہ سال بہ سبب ہنگامہ ایران وارد ہندوستان جنت نشان کہ داخلش صحیح وَخَلَہٗ کَانَ اٰمِناً گویان است گردیدہ از طنطنہ شاعریش گوش اکابر و اصاغر پرگشتہ اتفاق افتاد، واستفادہ تمام دست بہم داد لیکن در بعض اشعار کہ بہ سبب قصور ذہن بہ معانی آن نرسیدہ، و دفایز بہ مقصد آن نہ گردید، و اتردد مے رو دادہ ناچار در تحریر آن رابروئے قلم مشوش رقم خود

۵۱ مجمع النفائس ۵۲ مخزن الغرائب ۱۲

کشادہ ونیز بارہ از مصارع شعر راکہ از نارسائی فہم خویش نارسا فہمیدہ گاہے باندک تغیر و تبدیل گردانیدہ وگاہے خود گفتہ، پس این را از عالم خطائے بزرگان گرفتن کہ در واقع خطائے بزرگیست تصور نباید فرمود ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
امید کہ اگر بہ نظر شریف او در آید از خلل و زلل بر آید[1]"

اسکے مقابلہ مین مجمع النفائس کے ان طنزیہ اور تند فقرون کو ملاحظہ فرمائین جو جستہ جستہ خان آرزو نے لکھے ہین،
چندگاہ دیگر مثل کیمیا و عنقا متوازی این شہر بود وغرض از گمنامی اشتیاق افزائی مردم است و بس ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
رسالہ مشتمل بر حسب و نسب و سیر و شعر خود نوشتہ دعوی ہائے بلند در ان نمودہ کہ صاحب داعیہ از ان معلوم می شود ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ در نیولا بعزم حج و زیارت عتبات کہ روانہ بنگالہ شدہ بود، از عظیم آباد برگشتہ بہ بنارس کہ معبد عظیم ہندوان است فرو کش گشتہ ؎

ترسیم کہ بہ کعبہ نہ رسی اے اعرابی کین رہ کہ تو میروی بہ ترکستان است

۔ ۔ ۔ ۔ ۔ شیخ گوید کہ این دیوان کہ شہرت دارد دیوان چہارم است وسہ دیوان در فترت افاغنہ تلف شد
بہرحال دیوان مذکور ہم کہ مکرر بہ مطالعہ در آمد بہ آن وجہ کہ مظنون متیقن شیخ و جماعت نصیریان اوست نیست اگر این ہم بہ آن سہ ملحق می گردید، مورد این ہمہ اعتراضات نمی گردید ۔ ۔ ۔ ۔ می گویند کہ شیخ مذکور فاضل است و صاحب تصانیف لیکن ہیچ از و در علم حکمت و کلام بہ نظر در نیامدہ[2]"

نتیجہ ظاہر ہے، ساتھ ہی خان آرزو نے شیخ کے حکمیہ اور کلامیہ تصنیفات کے متعلق اپنی لاعلمی کا اظہار کیا ہے، ممکن ہے حکمت اور کلام کے متعلق شیخ کی کوئی تصنیف انکی نظر سے نہ گزری ہو، لیکن ان فنون کے اوپر یقیناً انھون نے تصنیفات چھوڑی ہین جنکا مختصر حال اپنے "تذکرۃ الاحوال" مین بھی درج کر دیا ہے، شیخ کے بارہ رسائل کا ایک مجموعہ پٹنہ کی اورنٹیل لائبریری مین موجود ہے، جس مین رسالہ "حدوث و قدم" رسالہ صیدیہ، رسالہ فرسنامہ، شرح قصیدہ لامیہ، رسالہ معاد وغیرہ ہین، مندکرہ بالا رسائل پر مینے ایک سرسری نظر ڈالی ہے، اور مجھے شیخ کے کمالات علمیہ کا اعتراف کرنا پڑتا ہے[3]۔
خان آرزو نے حزین کے کلام پر جو جرح کی ہے، وہ بعض جگہ صحیح بھی ہے، لیکن اس سے یہ نتیجہ نہین نکالا جاسکتا کہ شیخ ایک قابل اور نکتہ رس شاعر نہ تھے، شیخ کی شاعری ملہمانہ تو تھی نہین، کہ انکا کلام لفظی اور معنوی ربط، اصولی اور فروعی قیود تخئیلی اور منطقی دقیقہ سنجیون کے اعتبار سے ذرہ برابر بھی گرا ہوا نہ ہو تا سرخوش اپنے تذکرہ مین لکھتے ہین کہ صائب تبریزی نے بابا فغانی کے مندرجہ ذیل شعر کے مصرعہ اول پر تصرف کیا،

چو شبنم صبحدم نالان ز گلگشت چمن رفتم نہادم روئے بر روئے گل و از خویشتن رفتم (فغانی)

صائب نے کہا " بجائے "نالان" بہ مناسبت شبنم لفظ گریان" باید اگر مصرعہ اول را بہ این طور خوانند خوب است

---

[1] ریاض الشعرا [2] مجمع النفائس [3] فہرست کتب قلمی فارسی اورنٹیل لائبریری پٹنہ (ص ۱۹۹)

بچو شبنم صبحدم گریان گلگشت چمن رفتم[1]

اسی طرح حزین نے اپنے تذکرہ مین ملا محتشم کاشی کے جس شعر کے اوپر اپنے والد کی جرح کا حال لکھا ہے وہ اگلے اوراق مین لکھا جا چکا ہے، ملا محتشم کاشی عہد صفویہ (فارس) کے ایک زبردست اور بلند پایہ شاعر گزرے ہین اور انکا وہ شعر جس پر حزین کے والد شیخ ابوطالب نے جرح کی ہے، اس قدر مشہور رہے کہ مورخین نے محتشم کے کلام کا نمونہ پیش کرنے مین اسے درج بھی کیا ہے، ہر چند شیخ ابوطالب کی جرح اس اعتبار سے صحیح ہے، کہ انکے نزدیک شعر صحیح طور پر نہ پڑھا گیا "اے قامت بلند قدان در کمند تو" لوگون نے پڑھا تھا، حالانکہ محتشم کاشی کے اصل شعر مین "قامت بلند" کی جگہ "گردن بلند" ہے اور صرف اس ایک لفظ "قامت" اور "گردن" کے رد و بدل سے لطافت معنوی مین آسمان زمین کا فرق ہو گیا ہے، "گردن بلند"، کو ملحوظ رکھنے کے بعد ابوطالب کی جرح کوئی چیز نظر نہین آتی[2]

الغرض جرح سب پر ہو سکتی ہے، تنقید آسان ہے، لیکن سخن آفرینی مشکل چیز ہے،

حزین:- ظلمتکدہ عاشق را از چہرہ منور کن   تا چند بروز آرم تاریکی شبہا را

آرزو:- شب بروز آوردن صحیح است نہ تاریکی شب بروز آوردن باشبہاے تاریک می بایست گفت

یہان مجھے آرزو سے اتفاق ہے، اصل محاورہ وہی ہے جو خان آرزو نے لکھا ہے، رات سے دن ہونا محاورہ صحیح ہے تاریکی شب سے دن ہونا محاورہ نہین،

حزین:- ہر چہ خواہی مکن از دوری دیدار مگو   وحشت آباد مکن خاطر ویرانی ما

آرزو:- وحشت آباد کردن خاطر ویران چہ لطف دارد اگر خاطر جمع یا خاطر آبادمی بود گنجایش داشت واگر گویند کہ عاشق را با جمعیت خاطر چہ کار گوئیم درینجا معشوق مخاطب است وخطاب جز در حالت وصل صورت نمی بندد و جمعیت خاطر در وصل متصور است۔

اس شعر مین خان آرزو نے جرح تو صحیح کی لیکن تمثیل مین نفسیاتی اعتبار سے خود غلطی کر رہے ہین خان صاحب نے یہانتک صحیح فرمایا، کہ خاطر ویران کو وحشت آباد کرنیکی تمثیل ایک فضول چیز ہے ویرانہ تو خود ہی وحشت آباد ہوتا ہے اسکے بعد یہ فرماتے ہین کہ "میرے قول پر یہ جرح ہو سکتی ہے کہ عاشقون کا دل تو خاطر جمع ہوتا نہین تو مین یہ کہونگا کہ اس شعر مین معشوق مخاطب ہے، اور خطاب صرف حالت وصل ہی مین کیا جاتا ہے، لہذا انکو خاطر جمع کہنا مناسب تھا" خان صاحب نے "خاطر جمع" کی اصلاح دیکر، اور اس جرح کو اپنے سر فرض کرکے البتہ خود کو مجروح کر لیا ہے، ورنہ انکی جرح اپنی جگہ پر صحیح تھی، خان موصوف صرف یہ کہہ سکتے تھے کہ ویرانہ کو وحشت آباد کہنا صحیح ہے، اور بس بات ختم تھی اب انھون نے جرح کو طول دیا، اور فرماتے ہین "خطاب وصل مین ہوا کرتا ہے، اور اسوقت "خاطر ویران" کی جگہ حزین "خاطر آباد" کہہ سکتے تھے" لیکن ظاہر ہے کہ

---

[1] مجمع النفائس [2] مخزن الغرائب

خیالات اور نفسیات کی دنیا مین خان آرزو کے نظریہ کے خلاف بھی ہوا کرتا ہے، اگر وہ تصور کی نیرنگیون خیال کے التباسات، مراقبہ کے مظاہر، جذبہ رسا اور شوق نا پیدا کنار کے رموز پر غور کرتے تو انہین معلوم ہوتا کہ ہجر مین بھی وصل کا لطف آتا ہے، اور چونکہ نفس ایک طرف ملال ہجر سے متکیف اور دوسری طرف وصل خیالی کی لذت آفرینیون سے لذت اندوز ہوتا رہتا ہے، اسلئے معشوق کو مخاطب کرکے بھی "خاطر ویران" کا شکوہ ادا کیا جاسکتا ہے

حزین:- از ہمت سرستان بروار حزین خضر سے   تنہا نتوان رفتن صحرائے محبت را

آرزو:- "خضر برداشتن" عبارت تازہ است خضر از عالم زاو نیست کہ بردارند و گر گویند کہ "رفیق برداشتن" در محاورہ آمدہ گوئیم ہمراہ "برداشتن" است نہ تنہا "برداشتن" در محاورہ آمدہ گوئیم ہمراہ "برداشتن" است نہ تنہا "برداشتن" و بر تقدیر تسلیم خضر در حکم رفیق نیست یعنی استعمال این لفظ در حق متبوع جائز نیست"

یہان خان آرزو کے دو اعتراض ہین، ایک لفظی دوسرا معنوی جب وہ یہ تسلیم کرتے ہین کہ "خضر برداشتن" بہ منزلہ "رفیق برداشتن" ہے، اور زبان کے اعتبار سے اسمین کوئی نقص نہین تو اب انکا یہ اعتراض ہوتا ہے، کہ لفظ خضر کے ساتھ ہی "بردار" بھی ہونا چاہیے، تھا خضر اور "بردار" کے درمیان مین دو ایک لفظ کا حائل ہو جانا ظاہر کرتا ہے کہ محاورہ زبان کے خلاف ہے، اسکا جواب یہ ہے کہ اگر یہ نقص ہے جیسا کہ علمائے بلاغت و معانی نے لکھا ہے، تو صرف حزین ہی اسکے مجرم نہین بلکہ شیخ سعدی بھی اسکے مجرم ہین، بوستان کا پہلا شعر ہے،

بنام جہان دار جان آفرین   حکیم سخن بر زبان آفرین

یقیناً "سخن آفرین" ساتھ ہونا چاہیئے، ورنہ ضعف التالیف کا الزام عاید ہوتا ہے، مگر جب سعدی جیسے باکمال نے اسے منظور کرلیا تو حزین کے سر یہ عیب نہین معلوم ہوتا،

خان صاحب موصوف کی دوسری جگہ معنی سے متعلق ہے، افسوس انہوننے بے محابا یہ تو لکھدیا کہ "خضر بحکم رفیق نیست" رفیق خود خضر کا متبوع ہے لہذا "خضر بردار" کا فقرہ متبوع کو بولنا جائز نہین، اگر خان موصوف کا یہ منطقی استنتاج کسی مغالطہ کا منت کش نہین تو نعوذ باللہ یہی اعتراض قرآن مجید کے سر وارد ہوتا ہے

(الم تر الی الملا من بنی اسرائیل من بعد موسی اذ قالوا لنبی لھم ابعث لنا ملکا الخ)

یقیناً بنی اسرائیل متبوع تھے، اور انکا بادشاہ انکا محکوم نہین ہوسکتا تھا لیکن پھر بھی بنی اسرائیل "ملک بردارد" کا فقرہ بول رہے ہین، کہا جا سکتا ہے کہ بنی اسرائیل نے اپنے نبی سے کہا تھا کہ ہمارے لئے ایک بادشاہ او تھا اور حزین کے شعر سے خود ہی "خضر برداشتن" کا معنی پیدا ہوتا ہے، ہم کہینگے کہ ایسا نہین یہان "ہمت سرستان" کی قید لگی ہوئی ہے خان آرزو نے غالباً "ہمت سرستان" کا پایہ نہین سمجھا "خضر برداشتن" کے لئے ایک درمیانی کڑی موجود ہے جس طرح بنی اسرائیل کے "ابعث لنا ملکا" کے لئے "لنبی" کی درمیانی کڑی ہے، لہذا اس آیت سے خان آرزو کے اس خیال کا رد ہوجاتا ہے کہ

"خضر در حکم رفیق نیست یعنی استعمال این لفظ (خضر بردار) در حق متبوع جائز نیست"

ایک اور شک یہ پیدا ہو سکتا ہے کہ بادشاہ کے انتخاب کیلئے کسی ذاتی شخصیت کی تعیین نہین ہوتی اور خضر ایک متعین ہستی ہے لیکن مین کہونگا کہ یہان خضر مجازی کی تلاش ہے، کہ صحرائے محبت مین رفاقت کا کام انجام دے ظاہر ہے کہ خضر حقیقی کو گستاخانہ وادی محبت مین رہنمائی کی تکلیف نہین دی جا سکتی،

حزین:- مانع نمی شود کف بے مایہ سیل را دامن حریف گریۂ بے اختیار نیست

آرزو:- دامن را با کف بے مایہ نسبتے نیست معہذا نفی در کلام بلغا تابع اثبات است اگر دامن را مداخلت در منع گریہ می بود نفی آن صحت می داشت چہ دامن پاک کنندۂ اشک است نہ مانع گریہ،

شعر کا مفہوم یہ ہے کہ کف بے مایہ سے تو سیلاب اشک ریزی رکتا نہین، لیکن دامن بھی اس سیلاب کو جذب نہین کر سکتا ظاہر ہے کہ جب انسان روتا ہے، تو پہلے کف دست اور انگلیان بار بار آنکھون پر پھیری جاتی ہین جذبہ وافر ہے تو قطرات اشک ہاتھ سے گزر کر دامن پر چھلکنے لگتے ہین، اور دامن تر ہو جاتا ہے، لیکن حزین کہتے ہین کہ میرا گریہ صرف یہی نہین کہ کف بے مایہ سے نہین رکتا بلکہ دامن بھی قطرات اشک کو جذب کرنیکی صلاحیت رکھنے کے باوجود میرے "گریہ بے اختیار" کا حریف نہین، یعنی دامن سے بھی سیلاب اشک گزرنے لگتا ہے خان آرزو کا اعتراض یہ ہے کہ دامن اشک کو پاک کرتا ہے، گریہ کو روکنا اسکا کام نہین، مگر اسکا جواب یہ ہے کہ "گریہ بے اختیار" مین ہوتا کیا ہے، کیا گریہ کرتے کرتے انسان کی ہچکیان بندھ جائین اور ایک قطرہ بھی آنسو نہ نکلے، اگر ایسا ہوتا ہے تو کہہ سکتے تھے، کہ دامن کو حریف گریہ کہنا غلط ہے، لیکن جب یہ ہے کہ گریہ نام ہے سیلاب اشک ریزی کا تو پھر اعتراض ہی کیا ہے، غالب مرحوم نے بھی اس معنی مین ایک شعر کہا ہے،

مصرعہ- حریف جوشش دریا نہین خودداری ساحل

خان آرزو کے اصول کے مطابق تو اسپر بھی جرح ہو سکتی ہے، چونکہ ساحل کو تو موج سے دوچار ہونا پڑتا ہے، "جوشش دریا" کا مقابلہ کیسا لیکن جب جوشش دریا اور موج خیزی لازم و ملزوم شے ہین تو پھر کوئی جرح نہین،

ہرچند خان آرزو کی بعض جرحین اپنی جگہ پر صحیح ہین لیکن اکثر ایسی ہی ہین کہ خود ان پر اعتراض عاید ہوتا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ وارستہ مل سیالکوٹی نے ------ رجم الشیاطین کے نام سے ایک رسالہ لکھا اور خان آرزو کے اعتراضات کی بے سروپائی دکھائی، میر محمد عظیم ثبات کے جو اعتراضات والہ داغستانی نے ریاض الشعراء مین لکھے ہین، وہ ٹھیک وہی پہلو رکھتے ہین جسکا نقشہ آج بیسوین صدی مین " غالب بے نقاب " کی رزم آرائیون مین جھلک رہا ہے، اور مین اس مسئلہ پر اصولی حیثیت سے " غالب بے نقاب کے حجابات " (مطبوعہ نگار بابت اکتوبر سنہ ۲۶ء) کے زیر عنوان بحث کر چکا ہون،

شیخ کے تلامذہ اور قدر شناس ملتے انگلے اوراق مین قیاسی طور پر یہ نتیجہ نکالا تھا کہ شیخ کے قیام (دائمی)

ہند کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ارباب جدل اور مخالفین کی تعداد کے باوجود اِن کے قدر شناسون کی ایک جماعت ہوگی جسکے اثر محبت نے آپکو محبوس کنشت رکھا، اور تذکرون سے یہ بات ثابت ہوگئی، عمدۃ الملک امیر خان کے الطاف، بادشاہ کے وظایف، شیر افگن خان کی عقیدت[۱]، آزاد بلگرامی کے جذبات[۲] شیخ آیت اللہ ثنا جیسے بلند پایہ شاعر کا تلمذ[۳] یہ باتین ایسی نہ تھین جو شیخ کو گرویدہ نہ بنا لیتین

عبد المالک آروی

[۱] مجمع النفایس - [۲] ید بیضا [۳] عقد ثریا ۱۲

مصوّر کا ناتمام شاہکار

(ایک افسانہ)

(۱)

نواب جمشید یار کی کوٹھی عین دریائے جمن کے کنارے تھی۔ ایک طرف تاج اور دوسری طرف جمنا کی چادر سیمین آنکھ کی فرحت اور دل سرور کے لئے کافی سامان بہم پہنچاتے تھے نواب صاحب نے اس قطعہ کو صرف اسی نظارہ سے لطف اندوز ہونے کیلئے خریدا تھا۔ مین جس کمرہ مین ٹھہرایا گیا تھا وہ وسعت کے لحاظ سے گو مختصر تھا مگر میری ضروریات کے لئے بالکل کافی تھا۔

نواب صاحب کے ملازم نے بتایا تھا کہ یہ کمرہ خود نواب صاحب کی پرائیوٹ نشستگاہ کا کام دیتا تھا اسوجہ سے اسے بنسبت دیگر کمرون کے زیادہ سجایا گیا تھا۔ عمدہ فرنیچر قیمتی ساز وسامان اور دلکش آرائشی تصاویر سے کمرہ کی تزئین کی گئی تھی۔

کمرہ کے ارد گرد کھلی الماریان رکھی ہوئی تھین جن مین بیش قیمت کتابین، قلمی دستاویزات ومکاتیب، رسالون اور اخبارون کے فایل قرینے سے سلسلہ وار رکھے ہوے تھے۔ ہر الماری کے تختہ پر اسکی فہرست چسپان تھی چنانچہ مجھے یہ معلوم کرنے مین مطلق وقت نہ ہوئی کہ نواب صاحب کی تاریخی کتابین کس الماری مین رہتی تھین اور اسکی فہرست کن کن کتابون پر مشتمل تھی۔

نواب صاحب اپنے داماد شہریار بہادر کے ہمراہ شکار پر گئے ہوئے تھے اور یہ پہلا موقع تھا کہ مین ان کے دولت کدہ پر انکی عدم موجودگی مین حاضر ہوا تھا لیکن ان کے خوش خلق ملازم جانتے تھے کہ مین ان کا عزیز ترین دوست ہون اس لئے کوٹھی مین میری آمد کی خبر فوراً پھیل گئی اور ہر ایک نے مجھے گرمجوشی سے لبیک کہا پھر نہایت پر تکلف کھانے کے بعد مجھے باعزاز اس کمرہ مین پہنچا دیا گیا جہان کا مین نے ابھی ذکر کیا ہے

رات ہو چکی تھی مگر نہ معلوم دس بجے جانے کے بعد بھی مجھے کیون نیند نہ آئی اس وجہ سے ارادہ کیا کہ بجائے پلنگ پر لیٹے لیٹے وقت ضائع کرنے کے کچھ دیر مطالعہ کرنا چاہئے تاکہ غنودگی پیدا ہو جائے اس خیال سے پلنگ پر سے اُٹھا اور تاریخ کی الماری کے قریب پہنچکر ایک کتاب منتخب کی اور واپس آکر پڑھنا شروع کر دیا

ہندوستان مین سلطنت مغلیہ کا زوال میرے لئے ایک دلچسپ موضوع کا باعث ہوئی اور مین اس کے متعدد صفحات پڑھکر بیحد مسرور ہوا۔ میری عادت ہے کہ دوران مطالعہ مین ہر پیراگراف کے بعد نظر اُٹھا کر ادھر اُدھر دیکھنے لگتا ہون تاکہ نگاہ کو آرام ملے حسب عادت مین اس عمل کو کئی بار کر چکا تھا کہ ایکدفعہ میری نظر کتاب پر سے ہٹکر ایک بیضوی تصویر پر پڑی جو میرے پلنگ کے عین مقابل دیوار کے وسط مین لٹک رہی تھی اور جسے اس وقت تک مین نے

نہ دیکھا تھا

---

(۲)

سبز جھالر کے برقی فانوس سے ہلکی ہلکی روشنی صرف میری کتاب پر پڑ رہی تھی اور کمرہ کا وہ حصہ جس مین تصویر لٹک رہی تھی گو کامل تاریکی مین تو نہ تھا مگر پھر بھی جھالر مین سے چھن چھن کر کچھ روشنی اسپر پڑ رہی تھی جونہی میری نظر تصویر پر جاکر ٹھیری مین نے ہاتھ سے کتاب رکھدی اور غور سے تصویر دیکھنے لگا تصویر ایک نوجوان حسین لڑکی کی تھی۔

تصویر کینوس (Canvas) پر بنی ہوئی تھی۔صاحب تصویر کا چہرہ، گردن، شانہ اور نصف سینہ دکھایا گیا تھا۔ بازو اور لمبے لمبے بال تاریک "فضائے بعید" (Background) مین غیر محسوس طریقہ سے جذب کردئے گئے تھے اور یہی وہ صنعت تھی جو تصویر کو جالب توجہ بنا دیتی تھی۔ تصویر کا فریم بیضوی تھا اور نہایت قیمتی مطلا نقش و نگار سے مزین مصوری مین معمولی شد بد کے سوا مجھے اور کچھ لگاؤ نہ تھا مگر اس تصویر کی ظاہری کشش اور رنگون کی آمیزش آنکھون مین کچھ اس طرح کھبی جارہی تھی کہ بے اختیار جی چاہا کہ اسے قریب سے جاکر دیکھون۔

چنانچہ مین پلنگ پر سے اٹھا اور تصویر کے پاس گیا۔ایک اسٹول پر کھڑے ہوکر اسے دیکھنا شروع کیا آنکھون مین خمار بادہ کی سی مستی، رخسارون پر شہاب کی سی سرخی ایسی خصوصیات تھی کہ جنھون نے مجھے تھوڑی دیر کیلئے مبہوت بنا دیا۔

مین سوچ رہا تھا کہ آخر اس تصویر مین کیا دلکشی تھی جو اسقدر جالب توجہ واقع ہوئی تھی۔مین نے بہت سے باکمال مصورون کے نقوش دیکھے تھے مغل، بنگال اور ہماری اسکول کے بہت سے بے نظیر نمونے میرے البمون مین موجود تھے اور گو خود کبھی تصویر کشی نہ کی تھی مگر اوائل عمر سے تصویر اور نقاشی کا مداح تھا۔اور یہی وجہ تھی کہ فن سے ناواقف ہونے کے باوجود بھی ہر اس تصویر کو اپنے پاس رکھ لیا کرتا تھا جو مجھے اچھی معلوم ہوتی تھی مین کسی خاص اصول یا قاعدہ کا پابند نہ تھا بلکہ صرف جاذب نظر تصویر میرا عام معیار تھا یہی وجہ تھی کہ میرے پاس کئی تصویرین ایسی تھین جنھین ماہرین قطعی معمولی بتاتے تھے مگر مین نے صرف اس وجہ سے رکھ چھوڑا تھا کہ وہ مجھے "اچھی معلوم ہوتی تھین"

لیکن ایسی تصویر کبھی نہ دیکھی تھی۔ مجھے حیرت ہوتی تھی کہ آخر اس تصویر مین کیا خوبی تھی ——— کہ اسقدر مسحور کر رہی تھی۔ بہت دیر غور و تعمق کی نگاہ سے دیکھنے کے بعد مجھے احساس ہوا کہ تصویر کی حقیقی خوبی صرف یہ تھی کہ وہ بالکل جاندار معلوم ہو رہی تھی تصویر نے مجھے پہلے بہت مسرور کیا پھر حیرت ہوئی اور تھوڑی دیر تک یہ حالت قایم رہنے کے بعد میرے منھ سے "واہ" نکلا اور سٹول پر سے اتر پڑا۔

---

(۳)

مین نے الماری کے قریب جاکر اس جلد کو تلاش کرنا شروع کیا جس مین تصاویر اور نقوش کے متعلق تفصیلی حالات درج تھے

بہت جستجو کے بعد مجھے ایک رجسٹر مل گیا جس مین نواب صاحب کی تمام تصاویر کے متعلق حالات لکھے ہوئے تھے

اس رجسٹر کی ورق گردانی کرنے کے بعد مجھے وہ جگہ مل گئی جسے مین تلاش کر رہا تھا۔ یعنی بنگال سکول کے مصورون کے نقوش کے حالات ایک علیٰحدہ ضمیمہ کی صورت مین مل گئے مین نے تصویر دیکھتے ہی یہ رائے قایم کر لی تھی کہ یہ کسی بنگالی مصور کے موقلم کا نتیجہ تھی۔

ردیف وار فہرست پڑھنے سے معلوم ہوا کہ، ۷ نمبر کی تصویر کسی قدیم بنگالی مصور آتوش چندر اسرکار کی بنائی ہوئی تھی اور فہرست مین اسے "مصور کا ناتمام شاہکار" کا عنوان دیا گیا تھا۔

عنوان کے نیچے تصویر کے جو حالات لکھے ہوئے تھے انھیں یہان درج کیا جاتا ہے:۔

---

(۴)

صاحب تصویر بنگال کے ایک چھوٹے سے گاؤن کی لڑکی تھی اسکا گاؤن گنگا کے کنارے واقع تھا اور ارد گرد کے دیہات مین اس لڑکی کے حسن کا چرچہ ہونے لگا کیونکہ وہ بہت ہی حسین تھی۔ لڑکی یتیم تھی اور ایک اندھی ماں کے سوا اسکا کوئی سر پرست نہ تھا"

" نوجوان مصور اس گاؤن مین آیا اور لڑکی کو دیکھکر فریفتہ ہو گیا۔ ایکدن وہ گنگا کے کنارے بیٹھا ہوا کشتیون کا نقش بنا رہا تھا کہ وہ لڑکی اس کے پاس سے گزری اور اس خوبصورت جوان کو بیٹھے ہوئے دیکھا۔۔۔۔۔۔۔"

غرض کیا ہی منحوس ساعت تھی کہ مصور اور لڑکی کی شادی ہو گئی۔ لڑکی جو حسین ترین مخلوق تھی مصور کے ساتھ خوش وخرم زندگی بسر کرنے لگی وہ ہر وقت مسکراتی رہتی تھی جس سے نوجوان مصور کے دل پر بجلیان گرتی تھین۔ لڑکی مصور کو دل وجان سے چاہتی تھی مگر اس کا پیشہ، موقلم، رنگون کی پیالیان اور ٹکیان اسے ایک آنکھ نہ بھاتی تھین۔ اسے آرٹ سے نفرت تھی کیونکہ وہ خود ایک تصویر تھی۔۔۔۔۔"

" مصور سارا وقت تصویر کشی اور رنگ گھولنے مین گزار دیتا تھا مگر لڑکی کو اس مین دلچسپی نہ ہونے کے باعث سخت اذیت ہوتی تھی"

" مصور کو لڑکی کی مسکراہٹ دل وجان سے بھاتی تھی وہ طرح طرح کی مضحکہ خیز تصویرین بنا کر لڑکی کو دکھاتا تھا جنھین دیکھکر وہ مسکرا دیتی تھی ——— اور مصور باغ باغ ہو جاتا تھا یون ان کی محبت روز بروز مضبوط ہو رہی تھی"

" ایک دن مصور کو خیال آیا کہ لڑکی کی تصویر بنائے اور اسے اس طرح بنائے کہ اسکا شاہکار سمجھا جائے، اپنی پوری صنعت صرف کر دے اور کسی طریق سے اس تصویر مین بھی اصل کی بات پیدا کر دے ——— مگر سب سے بڑھکر لڑکی کی مسکراہٹ!"

" لڑکی نے جب یہ سُنا کہ مصور اپنی دلھن کا بھی نقش اتارنے پر آمادہ ہو گیا ہے تو اسے سخت روحانی تکلیف ہوئی

اور اس کا دل بیٹھنے لگا کیونکہ اسے آرٹ سے نفرت تھی مگر چونکہ فطرتاً نرم مزاج اور مطیع تھی اسوجہ سے اپنے خاوند کے حکم کی تعمیل کے لئے آمادہ ہو گئی"

"لڑکی مصور کے سامنے ہفتوں بیٹھکر تصویر کھنچواتی رہی۔ مصور کو اس تصویر کے بنانے مین وہ لطف محسوس ہوا جو بیان سے باہر ہے اس نے اپنے موقلم کی تمام شوخیان و بیباکیان اپنی دلھن کو مصور کرنے مین صرف کر دین اسکا شوق و ولولہ دن دونی رات چوگنی ترقی کر رہا تھا جس وقت وہ لڑکی کو سامنے بٹھا کر اور اپنے کینوس پر گردن جھکا کر موقلم کو جنبش دیتا تھا تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ ایک غیر فانی دنیا مین پہنچ گیا ہے"

"لڑکی جسے آرٹ سے نفرت تھی اس جبریہ حاضری اور مسلسل نشست کو برداشت نہ کر سکی اور کنول کی طرح مرجھانے لگی۔ اسکی صحت مین فرق آگیا چہرہ کی روشنی معدوم ہو گئی۔ رخسارون کی سرخی زردی مایل ہونی شروع ہو گئی۔ مگر وہ نہ صرف اپنے خاوند کا حکم ماننا چاہتی تھی بلکہ ——— اسے مسلسل ٹکٹکی باندھے دیکھنا چاہتی تھی کیونکہ وہ اس سے محبت کرتی تھی"

"وہ مصنوعی مسکراہٹ پیدا کر کے خوش نظر آنا چاہتی تھی مگر ایسا نہ ہو سکتا تھا اسکا دل بیٹھا جا رہا تھا مگر اپنے مصور کے شاہکار کو تکمیل تک پہنچانے کے لئے مجسمہ بنی بیٹھی رہتی تھی۔ تصویر اب ختم ہونے کو تھی اور مصور خوش ہوتا تھا کہ اگر کبھی (خدانخواستہ) لڑکی مر گئی تو وہ تصویر اسکے لئے ایک اچھی یادگار ثابت ہو گی۔ اب تصویر کا چہرہ، سینہ اور کندھے بن چکے تھے اور بال بنانے کے لئے صرف ایک ہفتہ کی اور ضرورت تھی مگر لڑکی کی صحت اب اور بھی خراب ہو گئی تھی"

"مصور اپنے ذوق مین اسقدر منہمک تھا کہ بہت کم نظر اٹھا کر دیکھتا تھا۔ جب تصویر ختم ہونے کو آئی یعنی آنکھ اور لبون پر صرف دو تین برشون کی اور کسر رہگئی تو لڑکی کی صحت اس طرح مضمحل ہو گئی جس طرح شمع ٹمٹماتی ہے اور بجھتے بجھتے رہجاتی ہے"

دن ہفتے، اور مہینے گزر گئے، لڑکی کے رخسارون کا رنگ تصویر مین بالکل اتر آیا تھا، آنکھوں کی چمک بھی پیدا ہو گئی تھی مگر مصور جس ذہن مین تھا وہ یہ ظاہری اوصاف نہ تھے بلکہ چاہتا تھا کہ کسی طرح اپنی تصویر مین لڑکی کی مسکراہٹ کو ابدی طور پر منتقل کرے تاکہ وہ جس وقت تصویر کو دیکھے لڑکی کو اپنی طرف مسکراتا ہوا پائے ——— اور یہی وہ مسکراہٹ تھی جس نے اسکے دل کو موہ لیا تھا!"

تصویر ختم ہو گئی تھی مگر صرف لبون پر ایک برش کے ذریعہ مسکراہٹ پیدا کرنی اور باقی تھی اسوجہ سے اس نے برش بورڈ پر رکھا، بیبالیان ایک طرف علیحدہ کین اور کرسی پر سے کھڑے ہو کر ایک انگڑائی لی اور دزدیدہ نگاہون سے تصویر کی جانب دیکھا۔ ——— آہ اسقدر خوبصورت رنگ تھے، کیسی عمدہ شبیہ اتری تھی، معلوم ہوتا تھا کہ لڑکی اب منہ سے بول اٹھیگی لیکن صرف ایک کسر باقی رہگئی تھی یعنی تصویر مین اسکی طبعی مسکراہٹ نہ دکھائی گئی تھی اور یہ کچھ ایسا مشکل کام بھی نہ تھا صرف ایک برش کی حاجت تھی"

"مصور نے تصویر کی خوبیون کو سراہا اور بے اختیار ہو کر بولا! خوب! تصویر نہین بذات خود زندگی ہے!"

"مصور نے اپنی محبوبہ کی طرف نظر اٹھائی ———— " لڑکی کے لبوں پر گو اب بھی مسکراہٹ تھی مگر وہ بالکل بےحس و حرکت بیٹھی تھی۔ مصور چاہتا تھا کہ اس مسکراہٹ کو تصویر میں پیدا کردے مگر خیال آنے کی دیر تھی کہ یکایک لڑکی کے منہ سے ایک ہلکی سی سسکی نکلی، اور وہ ہمیشہ کے لئے اس مسکراہٹ کو لیکر رخصت ہو گئی!"

---

(۵)

" لوگ کہتے ہیں کہ مصور نے اپنی محبوبہ کی طرف پلٹ کر دیکھا مگر اس وقت اپنی دلھن کو آرٹ پر قربان ہوتے ہوئے دیکھکر اسے اتنا دکھ نہ ہوا جتنا اس خیال سے کہ اسکا شاہکار ابھی ناتمام تھا ———— اور وہ مسکراہٹ ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گئی تھی"

" مصور اپنی تصویر میں مسکراہٹ پیدا نہ کرسکا تھا اس لئے اسنے اپنی ساری عمر کی کمائی کو اس طرح ضایع ہوتے ہوئے دیکھکر اپنا موقلم پھینک دیا، پیالیاں الٹ دیں اور آرٹ سے ہمیشہ کے لئے دست کشی کرکے ایک چیخ ماری اور اپنی محبوبہ کی روح سے جا ملا"

نمائش کی یہ تصویر اسی مصور کا "ناتمام شاہکار" تھا جسے نواب جمشید یار نے اپنے عمدہ مجموعہ میں سب سے زیادہ نمایان جگہ دی تھی اور جس کے حالات پڑھکر میں بیحد متاثر ہوا تھا۔

ظفر قریشی دہلوی

کیا مسلمانون کے تمام عقاید واقعی اسلامی ہین؟

اس سے قبل ہم ایک مضمون مین بتا چکے ہین کہ اسلام کو قومی مذہب بنانے مین کتنے نقصان ہین۔ اور یہ بھی دکھلا چکے ہین کہ مسلمانان ہند کی جماعت کسی معنی مین "قوم" نہین ہے بلکہ ایک مذہبی جماعت ہے۔ ہم نے یہ بھی دکھلایا ہے کہ اس غلط خیال کی وجہ سے مسلمانون کی تنظیم جماعت مین سخت ابتری پھیل رہی ہے۔

اس مضمون مین ہم صرف مذہبی نقطۂ خیال سے اس مسئلے پر بحث کرینگے کہ مسلمانون کے عام عقاید و اعمال مین کسقدر دراصل اسلام ہے اور کسقدر سیاست و معاشرت ملکی۔

ایک مسلمان کا بچہ جب پانچ یا چھ برس کی عمر کو پہونچتا ہے تو والدین کی پہلی خواہش یہ ہوتی ہے کہ وہ سب سے پہلے دینی تعلیم حاصل کرے محلہ کے میانجی کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔ جو اسکو بغدادی قاعدہ شروع کراتے ہین۔ اور اسکے بعد قرآن کا سارا متن دو تین سال کے اندر پڑھاتے ہین۔ یہ گویا اولین مذہبی تعلیم ہے جو مسلمان کے بچون کو دیجاتی ہے۔ ہندو کا بچہ اتنے ہی زمانہ مین مدرسہ مین داخل ہو کر واقعی علم حاصل کرتا ہے۔ لکھنا پڑھنا اور حساب سیکھتا ہے۔ اور مدارس ثانوی کے قابل ہو جاتا ہے۔ بد قسمت مسلمان کا بچہ قرآن کے ختم کرنے پر بھی چھوٹا نہین جاتا۔ اگر گلستان بوستان کی نوبت نہ آئے تو بھی دو تین سال تک اور اسکو غیر مانوس علم و زبان مین درس حاصل کرنے پڑتے ہین۔ اگر وہ اسکول مین بھی داخل ہوا تو اسکولون اور کالجون کے نتیجے برملا کہہ رہے ہین کہ تعلیمی تگ و دو مین مسلمان کا بچہ ہمیشہ پیچھے رہا کرتا ہے۔ یہ بہت ہی شاذ بات ہے کہ مسلمان کسی امتحان مقابلہ مین کامیاب ہو جائے یا مدارس کی معلمین کی کرسیون کا زینت ہو لیکن اگر آج کوئی مسلمان اپنی زبان سے یہ نکال دے کہ اس طرح تعلیم سے کیا حاصل ہوا اور کیون وقت ضایع کیا گیا تو مولوی ہاتھ مل کر کے رہجائینگے کہ افسوس آج اس مرتد کو سنگسار کرنے کا موقع حاصل نہین ہے۔ لیکن آؤ ذرا ہم اسلام کے متعلق جانچ کرین کہ کیا واقعی یہ اسلام حقیقت مین وہی اسلام ہے جسکا حکم قرآن مین ہے۔

مین پوچھتا ہون کہ دنیا مین اسلام کی کیا ضرورت تھی جبکہ پہلے یہود مذہب مین ہماری شریعت کی وہ ساری باتین (کیا اعمال کیا اعتقاد) موجود تھین یہود کا مذہب کیون منسوخ اور نامقبول قرار پایا اور اسکی جگہ کیون اسلام قائم ہوا۔ کون یہودی ایسا ہے جو خدائے وحدہ لاشریک کا قائل نہین یا انبیائے مرسلین کا۔ اگر کوئی مولوی موجودہ اسلامیت اور یہودیت مین فرق دکھلا دے تو مین بیشک قایل ہو سکتا ہون۔ ملاحظہ فرمائیے

یہودیون کے ہان	اسلام مین
۱۔ قربانی ایک فعل محمود اور پسندیدہ خدا ہے	ایضاً
۲۔ خدا کے ہاتھ پیر بھی ہین بلکہ مجسم انسان ہے	ایضاً ([illegible])

یہود	اسلام
۳۔ آدمی ایک خاص قسم کے جانور کا گوشت کھانے سے ناپاک اور بدمذہب ہوجاتا ہے۔	ایضاً[1]
۴۔ عبادت مین کوئی خاص حرکت نہ کرنے سے عبادت باطل یا نامقبول ہے	ایضاً
۵۔ غیر یہود سے سود لینا جائز انکے مال کو خورد برد کرنا اور انکی عورتون سے مباشرت کرنا جائز ہے۔	ایضاً (دیکھو فتاوی مولوی احمد رضا خان بریلوی)
۶۔ صحف آسمانی کا بغیر طہارت چھونا اور اسکا ترجمہ پڑھنا حرام	ایضاً
۷۔ ساحرہ زانیہ اور مرتد کو سنگسار کرنا۔	ایضاً
۸۔ غلامی کا جواز و استحسان	ایضاً (دیکھو کتاب تقویۃ الایمان)
۹۔ مذہبی اعتقاد کا یہود قوم سے مخصوص ہونا	ایضاً
۱۰۔ طہارت۔ زکوٰۃ۔ روزے کی باریک عملی تدابیر و ذبیحہ مین مخصوص قواعد کی پیروی	ایضاً
۱۱۔ ختنہ۔	ایضاً مع عقیقہ
۱۲۔ طلاق کی آسانی	ایضاً
۱۳۔ توریت کے احکام منسوخ ہوئے ہین	ایضاً قرآن کے احکام منسوخ (دیکھو اتقان سیوطی)
۱۴۔ احکام توریت کے علاوہ انہون نے بہت سے امور کو ناجائز قرار دیا ہے۔	قرآن کے علاوہ علماء نے بہت سے امور کو ناجائز قرار دیا مثلاً موسیقی۔ فنون لطیفہ۔ سونا چاندی کا استعمال کرنا
۱۵۔ مشنا کی اشاعت بجائے توریت	اشاعت سنن بجائے قرآن
۱۶۔ مذہب کو اسپرٹ سے کوئی واسطہ نہین لفظی پیروی ضروری ہے اسلئے ہوسکتا ہے کہ بعض شرعی اوامر مین لفظی تاویل کو بچائے اور جواز کی صورت نکال دیجائے۔	ایضاً
۱۷۔ یہود کی قوم کے علاوہ اشاعت مذہب ممنوع۔	دار الحرب مین اسلام کا پھیلانا حرام

پچھلے دنون مجھے ایک جید عالم سے خط و کتابت کا شرف ملا۔ بعض مسائل کے اختلاف پر مین نے انکی رائے پوچھی اور اس سلسلے مین مین نے انھین یاد دلایا کہ ہم مسلمانون نے درحقیقت اسوقت اپنے کو تتخذون من دون اللہ اربابا کا پورا پورا مصداق کرلیا ہے اور ہماری ساری خرابیون کا راز اسی مین ہے۔ انکا جواب سننے کے قابل ہے۔ ارشاد ہوتا ہے

[1] ملاحظہ ہو حقیقت اہل حدیث [illegible] مسند امام حنبل کی تدوین [illegible] اسکے کوئی مقصد نہ تھا کہ تمام احادیث کو یکجا کرکے ہر مسلمانون کو عمل کی دعوت دیجائے۔

"عنایت نامہ ملا۔ میری عادت بحث ومناظرہ کی نہین ہے البتہ آپ نے ازراہ کرم ایک آیت کے متعلق استفسار فرمایا اور مین نے اسکا جواب نہ دینا بد اخلاقی خیال کیا۔ لیکن اس موقع پر یہ بحث نہ تھی کہ اہل قرآن اور اہل حدیث مین کس کا راستہ صحیح اور کس کا غلط ہے۔ اس لئے آپکے یہ الفاظ کہ "ہم اور آپ دو راستے پر ہین ہمارا قول یہ ہے کہ قرآن غیر ذی عوج لعلکم تعقلون" ہمارے لئے کافی ہے۔ اور آپ کہتے ہین تتخذون اربابا من دون اللہ (سن سیوطی وبیضاوی وابوحنیفہ وطاوس وضحاک وغیرہ) کے بغیر چارہ نہین اور زمانہ بتائیگا کہ کون صحیح راستے پر ہے یا عقل وتمدن کسکا ساتھ دے رہے ہین" جو کسی قدر مناظرانہ شان لئے ہوئے ہین بے محل ہین۔ میرے خط سے تقریباً واشارۃً یہ بھی نہین ظاہر ہو سکتا کہ مین آپکو ناواقف خیال کرتا ہون اسلئے آپکے یہ الفاظ کہ مین اس مسئلے مین اسقدر ناواقف نہین ہون جیسا آپ خیال کر رہے ہین بالکل بے موقع ہے۔

"آپکے استفسار کے ساتھ ہی میرے دل مین یہ خیال پیدا ہوا کہ یہ آیت کہین مدنی تو نہین اور چونکہ اصولاً یہ معلوم تھا کہ آیتون مین بعض مدنی آیتین شامل ہین۔ اسلئے اس خیال کو اور تقویت ہوئی۔ تاہم مین مسائل مین اپنی ذاتی رائے کو کافی نہین سمجھتا بلکہ اور لوگون کے اقوال سے اسکی تائید کرتا ہون۔ اسلئے مین نے تفسیرین دیکھین تو بیضاوی جلد دوم مطبوعہ مطبع احمدی صفحہ ۱۴۱ تفسیر سورہ روم مین جہان آیت زیر بحث کی تفسیر کی ہے یہ عبارت نظر آئی۔

عن ابن عباس ان الاية جامعة للصلوات الخمس ولذالك زعم الحسن انها مدينة لانه كان يقول كان الواجب بمكة ركعتين فى اى وقت انقضت وانما فرضت الخمس بالمدينة

اس آیت کی تفسیر مین کشاف نے بھی یہی لکھا ہے (بیضاوی تو خود کشاف کا خلاصہ ہے) اور آپ اپنے بیضاوی کے نسخے مین بھی اس آیت کی تفسیر مین اس قول کو ملاحظہ فرما سکتے ہین (افسوس کہ میرے پاس جو قرآن شریف مطبوعہ ہے اور اسکے حاشیہ پر تفسیر بیضاوی ہے اس مین یہ موجود نہین۔ ممکن ہے حذف کر دیا گیا ہو) اگرچہ انہون نے مدنی ہونے کی جو وجہ لکھی ہے وہ صحیح نہین ہے (یا للعجب۔ ابن عباس کا قول اور صحیح نہین۔ نعوذ باللہ۔ نعوذ باللہ۔ اس سے زیادہ مستند تفسیر اور کہان ملیگی۔ س۔ م۔ ا)۔ ۔ ۔ ۔ ۔

آیت زیر بحث نازل تو ہوئی معراج سے پہلے لیکن اسپر عمل بعد کو ہوا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

"آپکی توجہ دلانے پر مین نے فرقہ اہل قرآن کی تاریخ پر غور کرنا شروع کیا (فرقہ اہل قرآن کے معنی میری سمجھ مین نہین آئے) تو حسب ذیل سوالات پیدا ہوئے۔

(۱)۔ یہ فرقہ کس زمانے مین پیدا ہوا اور کب تک قائم رہا۔

(۲) اس نے احادیث کا انکار کن وجوہ سے کیا

(۳) اس فرقہ کا مجموعۂ احکام یا مجموعۂ فقہ کیا ہے۔

ان سوالات کو پیش نظر رکھ کر مین نے کتابین دیکھنا شروع کین تو امام شافعی کی کتاب الام سے معلوم ہوا کہ انکے زمانے مین اس قسم کا ایک فرقہ تھا۔ لیکن بعد کو اسکا پتہ نہین چلتا۔ ابن قتیبہ کی کتاب مختلف الحدیث سے انکار حدیث کے چند اسباب بھی

معلوم ہوئے۔ لیکن اسکے مجموعہ احکام و مجموعہ فقہ کا پتہ نہین چلتا (غالباً مہدی آخرالزمان قرآن کو سمیٹ کر غار سامرا مین بیٹھ چکے تھے) امام شافعی نے کتاب الام مین اس فرقے کے ایک شخص کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "اس بارے مین کچھ لوگون نے دو مذہب اختیار کئے۔ ایک فریق حدیث کو نہین مانتا اور خود قرآن اس کے نزدیک کافی ہے اور اسکا نتیجہ یہ ہے کہ جو شخص نماز و زکوٰۃ اس حد تک ادا کردے جس پر نماز و زکوٰۃ کا لفظ بولا جا سکتا ہے تو اسنے اپنا فرض ادا کر دیا۔ اسکے لئے کوئی دقت نہین ہے اگرچہ وہ روزانہ صرف دو ہی رکعتین پڑھا کرے اور جس معاملے مین قرآن کی کوئی ہدایت نہین ہے وہ فرض نہین ہے۔ دوسرا فریق کہتا ہے کہ جس معاملے مین قرآن کا حکم موجود ہے اوس مین حدیث قبول کر لی جائیگی، اسلئے جس معاملے مین قرآن کا حکم نہین ہے اسکا قول بھی پہلے فرقے کے موافق ہے، اور نتیجہ بھی تقریباً دونون کا ایک ہی ہے"۔ اس بنا پر اس فرقے کا بڑا فرض یہ ہے کہ وہ اپنے مذہب کے احکام کا مجموعہ مرتب کرے تاکہ اس پر بحث کیجائے۔ لیکن جہان تک مین سمجھتا ہون اب تک صرف رد و قدح ہوتا رہا ہے۔ خود اس فرقہ نے اپنی ہستی کو بحیثیت ایک بانی فقہ جدید کے نمایان نہین کیا" وغیرہ

یہ عالم دیوبندی نہین بریلوی نہین فرنگی محلی نہین کہ انکی بات کو گوز شتر سمجھا جائے یا اسپر مضحکہ کیا جائے بلکہ علامہ شبلی کے شاگرد رشید اور ندوۃ العلماء کے "سراجاً منیرا"۔ مگر ذرا دیکھو تو کیسی خدا لگتی بات کہی ہے کہ فرقہ اہل قرآن کا مجموعہ احکام و فقہ کہان ہے۔ سبحان اللہ اسپر بھی اگر کوئی یہ کہدے کہ مولانا آخر قرآن کیا چیز ہے۔ تو بتائیے کہ وہ مردود ہوا یا نہین۔

تو خیر مجھے آپ فرقہ اہل قرآن ہی سمجھ کر اصول اہل قرآن سن لیجئے۔

سب سے بڑا اصول اہل قرآن کا یہ ہے کہ قرآن سب سے زیادہ آسان کتاب ہے۔ نہ یہ مابعد الطبیعۃ کا فلسفہ ہے۔ نہ ریاضی کی کتاب کہ اسکے لئے تحقیق کیجائے۔ انسان جسکو خدا نے دو آنکھین اور دو کان اور ایک صحیح دماغ دیا ہے۔ وہ قرآن کے سمجھنے کا اتنا ہی اہل ہے جتنا ایک علامۃ اللوزعی۔ قرآن کے سارے احکام پر ہمارا عمل ہونا چاہیئے۔ نہ اس مین کسی تاویل کی ضرورت ہے اور نہ کسی تفسیر کی اور قرآن کا سب سے عظیم الشان ریفارم یہ تھا کہ خدائی مذہب کسی خاص فرقہ یا قوم کی جائداد نہین ہے۔ عملی مذہب مین کسی خاص نسک (RITUALISM) کی خدا کو پروا نہین اور نہ کسی پر بہت کی اگر ہو اسکے اور تم کو یقین ہو کہ تمھاری نماز وہی ہے جو رسول اللہ نے ادا کی تو پڑھو اور ضرور پڑھو۔ لیکن اگر خدا کی عبادت کسی اور طریقہ سے کر سکتے ہو تو وہی قرآن کا منشا ہے عبادت کے لئے اوقات کی تعیین وہی کی گئی ہے جسوقت فطرتاً انسان کو اپنے معبود کی طرف متوجہ ہونا چاہئے یعنی قبل طلوع قبل غروب اور عشا۔ زکوٰۃ برابر اور متواتر دیتے رہو اور جتنی ہو سکے۔ رمضان کے روزے جس مین بہت سی مصلحتین ہین ایام معدودات یعنی ۲۹ سے ۳۰ تک مین رکھو۔ اور نہ رکھو تو اسکی جگہ فدیہ دیدو۔ اپنے دنیاوی فوائد مین قرآن سے مشورہ لے سکتے ہو لیکن مجبور نہین ہو۔ زمانہ اور ملک کا خیال رکھو۔ اصولاً اس چیز کو گناہ جانو جس سے تم کو یا کسی تمھارے ہم جنس کو جسمانی یا روحانی تکلیف پہونچے۔ اگر تم کو عربی نہین آتی ہے تو قرآن کو اپنی زبان مین پڑھو۔ اور ہمیشہ یاد رکھو کہ شرک یا تقلید خواہ خفی ہو یا جلی وہ گناہ عظیم ہے اور ناقابل معافی ہے کیونکہ یہ چیز تمکو انسانیت کے درجے سے گرا دیتی ہے اور تم ہر ایک کے

غلام بنجاتے ہو۔ حالانکہ تمھاری ماؤن نے تمکو آزاد جنا ہے۔ اور زیادہ صراحت چاہو تو ہمارے فلسفہ مذہب کو دیکھو

یہ فرقہ کب پیدا ہوا اور کب تک دنیا مین رہا۔ تو اسکی تاریخ عجیب ہے۔

رمضان کی ۱۷ یا ۲۱ یا ۲۹ تاریخ سنہ ۶۱۲ھ کو پیدا ہوا۔ اور دو سو صدی تک جب تک عجم سے ایک زمانہ اٹھی قایم رہا یعقوب کا خیال ہے کہ یہ دنیا اس طرح آئی کہ ایک بزرگ محمد مہدی نام اس فرقہ کی اصل کتاب بغل مین دبا کر سامرہ کے ایک غار مین بیٹھ گئے۔

بعض کہتے ہین کہ اس کتاب کی اکثر آیتین گاؤ خورد ہو گئی اور بعض منسوخ التلاوۃ ہین اور جو باقی بچی ہین وہ ایسی چیستانی ہین کہ ان کا سمجھنا ہر شخص کا کام نہین رہا اس فرقے کے ماننے والے چند بزرگ ہوئے ہین جن مین سے زیادہ مشہور ابو القاسم محمد بن عبد اللہ (روحی فداہ) اور انکے اصحاب ہین۔ مثل ابو بکر صدیق۔ عمر فاروق۔ عثمان ذو النورین علی بن ابی طالب۔ لیکن خیال غالب یہ ہے کہ اس فرقہ کے لوگ اپنے کو ہمیشہ پوشیدہ رکھتے ہوئے پائے گئے۔ اور کبھی اپنے فرقہ کا اظہار نہین کیا۔ اسواسطے کہ فریق ثانی ہمیشہ سیاسی قوت کے ساتھ غالب رہے۔ اگر ہمارے فرقہ کا کوئی آدمی ہمارے اصول کو اب بھی ذہن نشین کرے تو سب سے پہلے وہ یہ کرے گا کہ خوانخواہ اپنی قوم سے لام بندی یا مورچہ بندی نہ کریگا اپنی قوم کی پسندیدہ باتون کو اپنی کتاب کے معیار سے ملا کر قبول کریگا۔ اور مکروہ باتون کو چھوڑ دیگا۔ مگر اس فرقہ کا بچہ اسکول مین اسیوقت جائیگا جبکہ اس قوم کا دوسرا بچہ جاتا ہے گھر پر آ کر وہ اپنے مان باپ کے ساتھ اپنے فرقہ کی کتاب کا مطالعہ کرتا ہے اور اپنے باپ سے مذہبی عبادت کے طریقے یاد کرتا ہے۔ اس کے پاس اسکی یہ کتاب اس کی زبان مین رہتی ہے جس کا وہ خود بھی مطالعہ کرتا رہتا ہے یہانتک کہ اسکو خود اپنی زبان پر عبور ہو جائے

لیکن ہمارے فرقہ سے باہر کا آدمی تو خدا ہی اسکا حافظ ہے۔ اسکے نزدیک صغیر سنی کی شادی ایسی بری چیز بھی اسکے مذہب مین جایز ہے اگر اس کی قوم مین ممانعت کیجاتی ہے تو وہ سب سے پہلے اس حکم کو توڑنے پر تیار ہو جائیگا اور پھر ساری وہ خرافات باتین کرے گا جو انسانیت کے لئے باعث ننگ ہین۔ لیکن اس کے ساتھ اسکو مذہب کا ایسا غلو ہوگا کہ بقر عید مین ایک بکرے کی جگہ دو بکرے کی قربانی کریگا۔ شام کے وقت اپنی جا نماز سڑک پر بچھا کر نماز پڑھیگا بڑی عمدہ داڑھی رکھیگا۔ اونچا پاجامہ پہنے گا۔ اور سب سے بڑی بات یہ کریگا کہ اپنے سوا سب کو کافر اور بد دین جانیگا جس نے اس سے آمین بالجہر اور رفع یدین مین بھی اختلاف کیا۔

مولانا کے اس سوال کا جواب کہ فرقہ اہل قرآن نے احادیث کا انکار کن وجوہ سے کیا۔ اس کی سرگزشت نگار کی آیندہ اشاعت مین درج کرونگا۔

سید مقبول احمد بی اے

(فسانہ)

"اف اف! آہ آہ!!"

میرا معمول ہے کہ مین مغرب سے کچھ پہلے چہل قدمی کے لئے نکل جاتا ہون۔ اور مغرب سے کچھ بعد واپس آجاتا ہون۔ کمپنی باغ کے گرد ایک چکر یا چاندنی چوک کا ایک گشت یا پارسی تھیٹریکل کمپنی تک چہل قدمی، میری صحت جسمانی میرے دل و دماغ کے لئے جسقدر منفعت بخش ہے اسکا ادنی ثبوت یہ ہے کہ مجھے آج تک نہ امرت دھارا کی ضرورت پڑی نہ آتنک نگرہ کو یون کی! ہان تو جیسا کہ مین نے کہا، مغرب سے کچھ دیر بعد واپس آجاتا ہون۔ اسکے بعد دوستون کی آمد یکے بعد دیگرے شروع ہوجاتی ہے اور بارہ بجے تک مجلس احباب بڑے زور شور سے گرم رہتی ہے۔ غالباً مجھے یہ کہنے کی ضرورت نہین کہ صدر مجلس یہ خاکسار ہی رہتا ہے!

"اف اف! آہ آہ!!"

اپنے کمرے مین قدم رکھتے ہی یہ آواز میرے کان مین آئی۔ ہمدردی کے تمام جذبات، تیمارداری کے تمام احساسات مجھ مین دفعتہً بیدار ہوگئے۔ میرا دماغ جلد جلد ان وسائل پر غور کرنے لگا۔ جو کسی کی تکلیف کو رفع کرنے کے لئے ضروری ہوسکتے ہین میری طبیعت مین فطرتاً یہ بات ودیعت کی گئی ہے کہ تکلیف کی ایک کراہ، کرب و اذیت کی ایک چیخ، درد کی ایک سسکی مجھے بیتاب و بیچین کردیتی ہے اور مین بغیر ایک لمحہ توقف کئے اپنا دست امداد دراز کردیتا ہون۔ انسان تو انسان جانورون تک کے لئے میری ہمدردیان وقف ہین حتی کہ شب ماہ مین جسوقت کتے چاند پر بانگ زنی کرتے ہین تو مین اس قدرت کے لئے دست بدعا ہوجاتا ہون کہ چاند کو اسی وقت غروب کردون۔ ہرچند اس خیال بے ساتھ ہی چاند کے لئے بھی جی کڑھتا ہے۔ اسی وجہ سے بعض حق پسند لوگ مجھے (Philanthropist) "ہمدردی کا مجسمہ" کے معزز نام سے پکارتے ہین۔ اگرچہ میرا تاسمجھ حلقۂ احباب کوتاہ نظری سے مجھے اس "دہلی ہونے والی" ہستی سے مشابہت دینے کی ناکام کوشش کرتا ہے جسکا "شہر کا اندیشہ" زبان زد خاص و عام ہے۔ بیوقوف کہین کے

"اف اف، آہ آہ!!"

مین چھلانگ مار کر اندر پہنچا۔ میرے پلنگ پر میرا عزیز ترین دوست حامد پڑا ہوا، ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہا تھا۔ مین جلدی سے اسپر جھک گیا اور اسکے سر پر ہاتھ رکھکر پوچھا "حامد کیا بات ہے"۔ اور اسی کے ساتھ انداز فخر و غرور کے ساتھ میری نظران بے شمار ادویات پر گئی جن کو مین نے نہایت سلیقہ سے ایک الماری مین چن رکھا تھا۔ یہ وہ مجرب ادویات

تھین۔ جنکے اشتہارات روزانہ ہندوستان کے معزز اخبارات مین نکلتے رہتے ہین اور جسکا تیر کبھی خطا نہین کرتا۔ اور اگر بفرض محال کبھی ناکامی بھی ہو تو پھر پیروجی عامل کریم الدین کے تعویذ تو اس قسم کے مواقع کےلئے اکسیر کا حکم رکھتے ہین !!

"اف اف، ہائے مرگیا، مار ڈالا" حامد ایکی اور ذرا زور سے چلایا اور پہلے سے زیادہ جلد جلد کروٹین بدلنے لگا۔" آخر بات کیا ہے" مین نے پوچھا مگر معًا ایک خیال میرے ذہن مین آیا" ذرا ٹھہرو" مین نے کہا" مین خود معلوم کرونگا کہ کیا ہے مین آج تمھین اپنی تشخیص کا قائل کرکے چھوڑونگا۔ فرسٹ ایڈ کا مطالعہ مین نے بیکار نہین کیا ہے" "ہائے ہائے۔ مٹ گیا تباہ ہوگیا"

مین نے ہمدردانہ نظرون سے اسکی طرف دیکھا۔ ایک منٹ تامل کیا۔ مین آثار و علائم سے مرض کا دماغی تفحص کر رہا تھا۔ دفعتہً میری نظر الحکیم کے تازہ پرچے پر پڑی جو میز پر پڑا ہوا تھا۔ آج ہی مین نے اسکا مطالعہ کیا تھا۔ مین نے اطمینان و خود اعتمادی کا سانس لیتے ہوئے کہا" تمھین درد گردہ کی شکایت ہے"

"ہائے نہین" اور پھر اس نے کروٹ بدلی

"نہین" مین نے حیرت سے کہا" مگر مین نے آج ہی اسکی بحث پڑھی ہے اچھا ذرا ٹھیرو۔ تمھارا مثانہ پھٹ گیا ہے" اور مین نے ذرا تنکر داد طلب نظرون سے اسکی طرف دیکھا۔

"نہین نہین بخدا نہین آہ!" اس نے بری طرح سے آنکھین بھیچ کر اور منہ بگاڑ کر جواب دیا" اچھا تو عارضۂ فتق کا دورہ پڑا ہوگا" مین نے یقین کلی کے ساتھ کہا" اس صورت مین آلۂ اپریکٹرس ایکٹیا۔۔۔" "نہین" اس نے کروٹ بدلتے ہوئے کہا" تو تمھین قبض ہوگیا ہے"!

نہین یہ بھی نہین ہائے" مجھے اسکے انکار اور اپنی تشخیص پر غصہ آنے لگا تھا

"افوہ مین چوک گیا تھا مین نے تمھاری آنکھون کو اب تک نہین دیکھا۔ تمھین یقینًا یرقان کا مرض لاحق ہے" اور مین نے دل ہی دل مین اپنی تشخیص کی داد لی

"اوہ، اوہ نہین نہین" کم بخت نے پھر انکار کردیا۔

میرا جی چاہ رہا تھا اپنے کو اور اسے دونون کو کچا چبا جاؤن۔ خبیث کو دیکھو انکار کئے جا رہا ہے اور مجھے آج کیا ہوگیا ہے کہ کوئی تشخیص ٹھیک نہین بیٹھتی

ہا! کیسی اچھی اچھی زود اثر مجرب دوائین رکھی ہین مگر یہ بدنصیب کسی سے کبھی فائدہ اُٹھانا نہین چاہتا۔ معًا مجھے ایک ترکیب سوجھی مین حریفانہ انداز مین اکڑ کر بیٹھ گیا اور پوچھنا شروع کیا" دمہ ہے"

"نہین"

"جالا" "نہین، آہ" "خارش" "نہین"

"بچھونے کاٹا ہے" اور میں اپنی ادب پر نفرین کرنے لگا کہ اتنی ذراسی بات ابتک نہ سمجھ سکا تھا
"نہین" اس نے پھر انکار کر دیا

"داد" "نہین"
"خنازیر" "نہین"
"اورنگ زیب" "نہین"
"کالا بخار" "نہین"

"بال توڑ" مین نے ڈپٹ کر اس طرح کہا جیسے یہ نام مجھے یاد نہ آتا تھا ورنہ مین شروع ہی سے سمجھ گیا تھا کہ مرض کیا ہے۔ لیکن جب اسپر بھی اس نے نفی مین جواب دیا تو مین سرد ہو گیا۔ اللہ اکبر انسان ضعیف انسان کا علم کسقدر محدود ہے۔ خدا کی باتین خدا ہی جانے مین نے جھلا کر کہا "آخر منہ سے تو پھوٹے کیا بات ہے؟"

وہ دفعتاً اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ میری آنکھون مین آنکھین ڈالدین اور آہ سرد بھر کر کہا "مجھے محبت ہو گئی ہے" راشد مجھے محبت ہو گئی ہے"

"آہا تو یہ بات تھی۔ یہ بات تھی" جو ایسا تڑپا رہی تھی۔ میرا فروشدہ جوش پھر ابھر کر اپنے انتہائی نقطہ پر پہنچ گیا۔ محبت کے نام نے میرے اعصاب کے ساتھ وہ کیا جو مفرح مرداریدی یا رفیق بدن (رجسٹرڈ) کی دس خوراکین بھی نہ کرتین۔ دنیا مین یہ دوسرا موضوع ہے جس کے لئے میرا ذہن بیحد طرار ہے۔ محبت آہ محبت۔ دنیا والون نے اس پاکیزہ لفظ کے سمجھنے مین کسقدر غلطی کی ہے۔ یہ لوگ پسندیدگی کا نام محبت بو الہوسی کا نام محبت، خمار گندم کا نام محبت رکھتے ہین اور نہین سمجھتے کہ فلسفہ محبت کے بلند معیار تک ان احمقون کی کمزور نگاہین نہین پہنچ سکتین۔ عشق صادق جس چیز کو کہتے ہین اُنکو اسکی ہوا بھی نہین لگی۔ دوستی اور محبت کا فرق ان کے نزدیک بے معنی ہے۔ کوئی ان حماقت کے پتلون کو کس طرح سمجھائے کہ نادانو، پہلے محبت کے فلسفہ کو سمجھو تو پھر محبت کرو۔ میرا بدن افراط معلومات سے پھٹا جارہا تھا۔ مین چاہ رہا تھا کہ ایک ہی سانس مین اپنی معلومات کا تمام سیلاب بہا دون۔ ہان آج مین اسے بتاؤنگا کہ مین فلسفۂ محبت اور اسکے ہر ہر جزو کا کسقدر ماہر خصوصی ہون نفسیات کو کس طرح پانی کی طرح سہل کر کے رکھ دے سکتا ہون۔ عشق کے رموز و نکات کا کیسا بحر ذخار میرے سینہ مین موجزن ہے ہے۔ تحلیل نفسی مین کسقدر درخور حاصل ہے۔ جی! کوئی مذاق ہے۔ شہاب کی سرگزشت کو پندرہ مرتبہ پڑھ چکا ہون"

"آہ! تیر نظر جگر کے پار ہو گیا" حامد نے تڑپ کر کہا

"تیر نظر اگرچہ شاعرانہ مبالغہ۔۔۔۔۔" اور مین سوچنے لگا کہ مجھے کیا کہنا چاہیئے حامد نے مجھے متامل دیکھ کر آنکھین پھاڑ کر میری جانب دیکھا اور کہا "تم تلقین و وعظ تو نہین شروع کر دوگے۔ مجھے یقین ہے!"

مین چونک پڑا اوہ! یہ بات تو میرے ذہن سے بالکل نکل ہی گئی تھی۔ مین اسکا دوست تھا اور میرا پہلا فرض تھا

کہ مین اپنے پند و نصائح سے اسس اہ کی کٹھن منزلون سے اسے دور رکھنے کی کوشش کرون۔ استغفر اللہ۔ کیا۔ بھولا تھا۔ مین نے اپنے چہرے کو سنجیدہ بنایا۔ ذرا سنبھل کر بیٹھا اور تین منٹ تک غور کرتا رہا کہ شروع کس طرح کرون۔ یکایک مین اچھل پڑا۔ پرانا مطالعہ میرے کام آیا اور مین نے حامد کا ہاتھ اپنے ہاتھ مین لیکر۔ انتہائی ہمدردی کا جذبہ اپنی آنکھون مین پیدا کرکے بڑی محبت سے کہا۔

لگا یہ روگ جوانی مین کیون میان جراءت ابھی تو کھیل تماشے کے تھے تمھارے دن

اور پھر گویا مزید زور پیدا کرنے کے لئے آہ سرد بھر کر پُر تنبیہ لہجہ مین کہا

"جبکہ، ہمدا خراب کرے وہ لگائے دل!"

حامد نے بھی فوراً .... موقعہ شناسی کے ساتھ بے پرواہی سے جواب دیا

یا تنگ نہ کر ناصح ناداں مجھے اتنا یا لاکے دکھادے دہن ایسا کمر ایسی

میرا جی چاہا کہ اسکا منہ چوم لون۔ کسقدر موقعہ شناس تھا۔ صرف ایک شعر سے میری ناصحانہ پوزیشن کو ختم کرکے اس دوسری منزل پر لے آیا۔ جہان نصیحت امداد و اعانت مین تبدیل ہوجاتی ہے۔ "مین اب وعظ و نصیحت کو بالائے طاق رکھکر اپنی فلسفہ دانی کی شمع فروزان سے اسکو عشق صادق کے صحیح ڈگر پر ڈالونگا" مین نے سوچا " آہ۔ جب سے دیکھا ہے تڑپ رہا ہون خواب و خور حرام ہے۔ دوست وصال یار کی کوئی تدبیر"؟

وصال یار! میرے بدن مین سناٹا آگیا۔ ہمدردی کے تمام جذبات یک لخت کافور ہوگئے۔ دل سے بجائے محبت کے حقارت کا ایک سیلاب بہ نکلا۔ "وصال یار اور یہ مردود خبیث مجھ سے کہتا تھا کہ اسے محبت ہوگئی ہے۔ یہ ہے ان لوگون کی کائنات محبت۔ محبت کا ادعا اور تمنائے وصال۔ ناممکن، ناممکن یہ دونون باتین دوش بدوش نہین چل سکتین۔ محبت کا لطف تو فراق و ہجر ہی مین ہے۔ ایکدفعہ محبت کرنے بعد دیکھنے کی آرزو بھی دل مین پیدا نہونی چاہیئے یہ محبت کی توہین ہے کہ محبوب کو قطعاً فراموش کرنیکی کوشش کیجائے تا اینکہ ترک ترک کا درجہ حاصل کرلے!!

"اگر دیدار بازی کا موقعہ نصیب نہوا تو زندگی مشکل ہے" اس نے پھر کہا

میرے سینہ مین شعلے بھڑکنے لگے۔ میرا وہ پاکبازانہ لکچر جو مین سوچے بیٹھا تھا۔ اندر ہی اندر گھٹ کر رہگیا۔

"اور اگر بوس و کنار کا موقعہ بھی ملے تو نوراً علیٰ نور" وہ پھر بولا۔

مین نے اپنی شعلہ فشان آنکھون سے اسکی طرف گھور کر دیکھا۔ مین اپنی جگہ کسمسا کر رہجاتا تھا۔ فرط غضب سے قوت گویائی سلب ہوگئی تھی۔ کسقدر بیہودہ بکواس تھی۔ محبت سے کوسون دور پاکیزگی کا میلون پتہ نہین اف رے ملعون بوالہوس!!

"دیکھیں ان کے پھول کے رخسارون کو چومنا کب نصیب ہوتا ہے"

استغفر اللہ! میرا بدن تھرتھر کانپنے لگا۔ میرا دم گھٹنے لگا۔ مین ڈنڈے کے زور سے صحیح راہ محبت بتلانے کی خواہش

اپنے دل میں پار رہا تھا۔

" آہ یہ روز ہجر ختم ہو اور شب وصال اپنا روئے زیبا دکھائے"

معاذ اللہ میں نے اپنی جیب میں چاقو کھول لیا۔ میرے سر پر خون سوار ہوتا ہوا معلوم ہوتا تھا اور کچھ بعید نہ تھا کہ وہ چمکتی ہوئی چیز جیب سے باہر بھی آجاتی۔ مگر یکایک باہر آہٹ ہوئی اور سعید، منیر، واجد اور ضیا، داخل ہوئے۔

ہماری پارٹی مکمل تھی۔ مجھے قدرے سکون و مسرت حاصل ہوئی کہ اب مجھے داد ملیگی اور حامد کو خوب آڑے ہاتھوں لونگا میں نے فوراً اپنے برانگیختہ حسیات کو فرو کرنے کی کوشش کرتے ہوئے، قبل اسکے وہ لوگ کرسیوں پر اچھی طرح بیٹھ چکیں کہنا شروع کیا " یہ نا پاک ہستی جو اسوقت پلنگ پر دراز ہے ۔ ۔ ۔ ۔"

" کیا بات ہے" واجد نے اپنی عینک میں سے جھانکتے ہوئے میرا قطع کلام کیا

" منیر بولا" آپ کی گفتگو کی تمہید چونکہ نہایت نامعقول طریق پر شروع ہوئی اس لئے ۔ ۔"

" واہی ہو" میں نے کہا" بات یہ ہے کہ ۔ ۔ ۔ ۔"

سعید نے شرارت سے کہا" پہلے اپنے الفاظ کو واپس لیجئے اور تحریری معافی مانگئے"

ضیاء سب سے چھوٹا مگر سب سے کھوٹا تھا، بندر کی طرح آنکھیں ملا کر بولا" اور پھر ایسا یاد رکھئے تا کہ آج کا یاد کیا برسوں نہ بھولے!!" اس نے آنکھ سے دواؤں کی الماری کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

اسپر سب مسکرا دیئے۔

میں نے پیٹیاں کس لیں اور اپنے قد کے پانچ فٹ چھ انچ کی پوری لمبائی لئے ہوئے تن کر کھڑا ہو گیا" مذاق دلگی برطرف میں آپ لوگوں تک خبر پہنچانا چاہتا ہوں کہ جناب کو خود ان کے قول کے مطابق مرض محبت لاحق ہو گیا ہے"

حیرت کی ایک بے معنی آواز سب کے منہ سے نکلی اور سب کی آنکھیں حامد کے چہرہ پر گڑ گئیں۔

" مرحبا!" سعید نے اپنی عینک ریشمیں رومال سے صاف کرتے ہوئے کہا" آفریں"

عمر یست کہ آوازۂ منصور کہن شد   من از سر نو جلوہ دہم دار و رسن را

منصور اور دار و رسن کا نام سنکر میری باچھیں کھل گئیں۔ الحمد للہ کہ سعید محبت کی منزل اعلیٰ میں یقیناً میرا ہمزبان ہوگا۔ ورنہ اگر اسکی بھی ذہنیت اسقدر پست ہوتی تو اتنا اعلیٰ شعر نہ پڑھتا۔

منیر نے ہنسکر کہا" دور مجنون گذشت و نوبت ماست"

میرے سینے میں وفور مسرت سے آماس پیدا ہونے لگا۔

واجد نے کہا" عاشقی شیوۂ رندان بلاکش باشد"

" بلاکش! عمرت دراز باد تم سب میرے ہم خیال ہو" میں نے سوچا اور خوشی سے میری سانس پھولنے لگی۔

ضیاء نے کرسی کی پشت کو بہ نیت دونون بغلون مین لیتے ہوئے اپنی باریک آواز مین کہا۔ "عاشقی کھیل نہین ہے جیسے لڑکے کھیلین"

"اس کمبخت کے مزاج مین سے کبھی بچپن نہین جائیگا" مین نے سوچا۔ مین نے ایک عمر رسیدہ ماسٹر کی طرح تبسم کیا۔ وہ تبسم جو صرف اسوقت نمودار ہوتا ہے جب لڑکے سبق اچھی طرح یاد کر لیتے ہین۔ پھر ایک کمانڈر انچیف کی طرح ان سب کا نظری جائزہ لیتے ہوئے کہا "اور آپ کو بہ این ادعائے محبت تمنائے وصال بھی ہے!!"

سب حیرت زدہ ہوکر میری جانب ان نظرون سے دیکھنے لگے جیسے کوئی پاگل کو دیکھتا ہے۔ مین بھونچکا سا ہوکر رہگیا مجھے کامل توقع تھی کہ میری زبان سے یہ فقرہ سنتے ہی سب لوگ حامد پر ایک قہقہہ لگائین گے۔ اور ابھی دم کے دم مین لعنت کے ووٹ پاس ہوجائین گے۔ آخر چند لمحے کی تکلیف دہ خاموشی کے بعد حامد نے چھڑی سے زمین کریدتے ہوئے کہا "افسوس ہے ہم آپ کا مدعا سمجھنے سے قاصر رہے"

مین نے کھسیانے پن سے کہا "یہ۔ یہ۔ من خوب می شناسم۔ جی ہان مدعا سمجھنے سے قاصر رہے!"

"نہیں واقعی" منیر نے تائید کی۔

"تم لوگ فضول باتین مت کرو" مین نے کہا اور خفت چھپانے کے لئے پھر کرسی پر بیٹھ گیا۔

سعید نے کہا "جناب محتشم نے جو اپنی زبان فیض ترجمان سے یہ فقرہ اس تیور کے ساتھ ادا فرمایا جیسے کوئی استحالہ عقلی یا عادی کا تذکرہ ۔ ۔ ۔"

مین نے جھنجھلا کر کہا "خاموش رہو۔ مین ان بڑے بڑے لفظون سے مرعوب ہونے والا نہین ہون ابھی کلام مجید سامنے رکھکر گفتگو شروع کردی تو ساری لغت دانی دھری رہجائیگی"

سعید نے پھر کہا "آخر جناب کس استدلال کی بنا پر محبت سے تمنائے وصال کو منفک کرسکتے ہین"

مین نے کہا "واللہ تم سب لوگ گوکھے ہو۔ محبت کی تعریف سے اصلا واقف نہین"

سعید نے اپنے چہرہ پر شاگردانہ جھلک پیدا کرکے کہا "تو ہمین کامل امید ہے کہ جناب ہمارے تاریک دماغون کو اس خاص روشنی سے منور فرمائینگے" اسکی اس سنجیدگی پر مجھے غصہ آنے لگا۔ کمبخت ہزار مرتبہ اس موضوع پر میرے خیالات سن چکے تھے مگر کیسے انجان بن رہے تھے

ضیاء "مگر پہلے تمنائے وصال کی تشریح تو ہو جانا چاہیئے وصال کی کون سی صورت؟"

سعید "ہر ممکن صورت۔ ذرائع کو اتنی اہمیت نہ دینی چاہیئے۔"

میرا خون کھولنے لگا۔ مین اپنی پہلی غیر متوقع شکست کی وجہ سے دفعتاً کچھ تھک گیا تھا۔ لیکن یہ الفاظ سنکر میری طاقت عود کر آئی اُفوہ! یہ مردود اپنی بوالہوسی اور بدمعاشی مین یہان تک ترقی کر گئے ہین۔ بڑے فلسفی بنتے ہین اور محبت کے متعلق اسقدر رکیک خیالات رکھتے ہین مین نے پھر کہا "نالائقو۔ تم مین حیوانی روح حلول کر گئی ہے۔ تم لوگ شیطان کی

ذریات مین سے ہو۔ انسانی خصائص جو ملکوتی خصائل پر چشمک زنی کرتے ہین تم مین سے اسی طرح مفقود ہو گئے ہین جس طرح بال عمر بھر نہ اُگنے کے جوہر سے بال! - بدمعاش لوگو! تم محبت جیسی پاکیزہ چیز کو بھی اپنی بد باطنی اور سیاہ قلبی کی وجہ سے پان بہار سمجھتے ہو جو تھوڑی دیر کی لذت رہن کے لئے پان کے ساتھ کھائی جاتی ہے۔ محبت محبوب کو اسقدر پر عظمت اسقدر پر احترام چیز بنا دیتی ہے کہ حصول تو حصول اسکا خیال بھی بدن مین کپکپی پیدا کر دیتا ہے۔ نادانو! تمھارے دل زنگ آلود ہو گئے ہین براسو کی وہ شیشی بھی اس زنگ کو نہین چھڑا سکتی" مین نے الماری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنی تقریر کو ختم کیا

سعید نے نہایت سنجیدگی سے میری طرف دیکھتے ہوئے پوچھا "خواجہ حسن نظامی کا قرآنی آسان قاعدہ کتنے مین آتا ہے؟"

یہ تھا وہ جواب جو اس نے میری طرف آتی پر جوش تقریر کا دیا۔ سب نے ملکر ایک بلند قہقہہ لگایا۔ حامد بھی اب تڑپنا چھوڑ چکا تھا اور شریک تماشا تھا۔ میرے دل مین ایک بے نام سی بےچینی کا احساس پیدا ہونے لگا تھا۔ چھیڑ چھاڑ روزانہ ہوتی ہے۔ لیکن آج تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سب میرے ہاتھ دھو کر پیچھے پڑے ہین۔ کہین انھون نے سازش تو نہین کر رکھی ہے" ادھر" مین نے سوچا " اگر ایسا ہے بھی تو مجھے کیا پرواہ ہے۔ مین اکیلا ان سب پر بھاری ہون" مین نے غضبناک ہو کر کہا "جناب، اب ٹالنے سے کام نہین چلے گا۔ سیدھے سیدھے جواب دیجئے!"

"تم تو مجھے کچھ بیوقوف سے نظر آتے ہو" واحد بولا " ارے بھئی عورت مرد کی محبت کا منشائے حقیقی دونون کی یکجائی اور اتصال باہمی ہونا چاہئے۔ محبت کو آخر تم نے اسقدر مہیب اور ڈراؤنی چیز کیون بنا دیا کہ جسکا قدم درمیان مین آتے ہی محبوب ایک خوش رنگ مگر زہریلا سانپ ہو جائے۔ اگر محبت ایسی ہی چیز ہے تو پھر پتھر سے کیون نہ کیجائے۔ تاکہ پھر یہ ہجر و فراق، دوری وصل، انکار و پذیرائی کا کھڑاگ ہی ختم ہو۔ تم تو بالکل منشی سجاد حسین کی ایک تصنیف ہو" مطلب یہ تھا کہ احمق الذین ہو! - رہ تو سہی مین تیری کیسی خبر لیتا ہون مین کوئی غضبناک جواب دینے ہی والا تھا کہ بیچ مین ضیاء بول اُٹھا " اچھا یہ تو بتائیے آپ شادی بر بنائے محبت کے قائل ہین یا اندھا دھند شادی کے"۔ مین نے کہا شادی بر بنائے محبت! اس سے زیادہ ناکام شادی کوئی نہین ہو سکتی! شادی محبت کی موت ہے۔ جو شخص محبت کی وجہ سے شادی کرنا چاہتا ہے وہ گویا ایک تشنہ کام ہے جو گلاس کی اس لئے تلاش کرتا ہے کہ پانی پی سکے۔ اسکے برخلاف دیسی شادی گویا گلاس کا خریدنا ہے گلاس کی خاطر" اور مین نے اکڑ فخر کے تیورون سے چارون طرف نظر ڈالی۔

سعید (مسکرا کر) جی، جس کتاب سے آپ یہ فقرے نقل کر رہے ہین کبھی اسکو سمجھ کر بھی آپ نے پڑھا ہے؟

ضیاء۔ "تم واللہ نرے کف ابابیل ہو"

اسپر سب نے فرمائشی قہقہہ لگایا اور مین مارے غصہ کے گونگا ہو کر رہ گیا۔ مگر میری آنکھین شعلہ فشانی کر رہی تھین واحد نے مسکرا کر کہا "خیر یہ باتین تو سب ہوتی ہی رہینگی۔ یہ تو بتائیے کہ آپ نے حامد کے مرض کا کیا علاج تجویز کیا"

ضیاء۔ "واہ یہ کون مشکل بات ہے۔ دعائے عقد المحبت ———— سیدھا سادا علاج ہے"

"چپ رہو" مین نے غصہ سے کہا"
ضیاء: "اچھا تو مطلوب طالب کے قدمون پر سہی، یہ نہین تو محبت کے مایوس مریضو! پھر شباب کی سرگذشت ہی سہی!"
"بالکل خاموش ہو جاؤ" مین نے دانت کٹکٹا کر کہا
"آپکو خدا کی قسم مجھے شروع سے آخر تک پڑھ ہوئے کے متعلق کیا خیال ہے
واحد نے بطور تجویز کے کہا۔
عنان ضبط میرے ہاتھ سے چھوٹی جا رہی تھی۔
مین: "نہین بھئی اللہ شوق دے تو کتابین پڑھا کرو" قہقہہ پڑا۔
سعید نے سنجیدگی سے کہا "یہ سب کچھ نہین اسکا صرف ایک علاج ہے" سب ہمہ تن اشتیاق ہو کر سکی طرف دیکھنے لگے
کم بخت نے کچھ ایسی سنجیدگی سے کہا کہ خود میرے دل مین بھی شوق پیدا ہوا کہ دیکھین کیا کہتا ہے
"اسکا علاج" اسنے کہا "بہترین علاج صرف ایک ہے اور وہ (اسنے گلا صاف کیا) یہ کہ پندرہ سن مین بال جڑ سے کالا!"
اسپر ایک فلک شگاف قہقہہ پڑا۔ مین اچھل کر کھڑا ہو گیا غصہ سے میرا بدن کانپ رہا تھا۔ "بکومت" مین نے چیخ کر کہا "بکومت" مین گرج اُٹھا "بکومت" مین نے دیو کی طرح چنگھاڑ کر کہا دفعتہً باہر زینہ پر کسی کے جلد جلد اترنے کی آواز آئی اور دوسرے لمحہ والد بزرگوار حیران و ششدر کمرہ مین داخل ہوئے سب کھڑے ہو گئے۔ وہ آہستہ آہستہ کرسی پر آکر بیٹھ گئے اور ادہر ادہر دیکھ کر پوچھا "یہ کون جنگلیون کی طرح چیخ رہا تھا؟" سب کی نظرین بیساختہ میری طرف اُٹھ گئین۔
"یہ راشد ہوگا۔ مین پہلے ہی سمجھا تھا اور اس خبطی کے سوائے کون ہو سکتا ہے" ان کے چہرہ پر تبسم کے آثار نمایان ہوئے اور میرے دوستون کی طرف مخاطب ہو کر انھون نے پوچھا کیا بات تھی۔ محبت کے متعلق گفتگو تھی یا اشتہاری دواؤن کے؟"
سب کے سب نظرین جھکا کر مسکرانے لگے۔ میرے بدن مین سنسنی پھیل گئی۔ مین نے اپنے دوستون کی نظر مین جو وقعت پیدا کر رکھی تھی وہ آج والد بزرگوار فنا کئے دے رہے تھے۔
"خدا جانے اسے کیا خبط ہو گیا ہے" وہ پھر بولے "گھر مین بھی ہر وقت اسی قسم کی باتون پر مباحثہ کرتا رہتا ہے! اسکے چھیڑنے پر اور سب اسے چھیڑتے ہین" پھر میری طرف دیکھ کر کہا "شرم نہین آتی۔ بی۔ اے تک کی پڑھائی۔ کاندھے! اے مین بھائی تمھیں اشتہاری دواؤن سے فرصت ملے تو کوئی اور کام کرو۔
سعید۔ جناب قبلہ ہمارا بھی انھون نے ناک مین دم کر رکھا ہے۔ اسی لئے ہم آج ارادہ کرکے آئے تھے کہ آج انھین خوب بنائینگے اور انکی یہ عادت ہمیشہ کے لئے چھڑا کر رہینگے۔ ہم نے حامد کو پہلے ہی پٹی پڑھا کر بھیجدیا تھا۔ وہ تو آپ تشریف

لے آئے ورنہ ہم آج ان سے عہد لیکر چھوڑتے "۔

" جھوٹا نامراد۔ ارادہ کرکے آئے تھے۔ سب جھوٹ حامد یقیناً عاشق ہوکر آیا تھا، سعید نے اس ڈر سے کہ کہین والد نے سب کچھ نہ سنا ہو اور حامد کے باپ سے کہدین یہ اور مجھے بنانا! والد نہوتے تو بتاتا کہ تم مجھے کس طرح بناتے ہو۔

" ہا! ناشدنی۔ سب ہی تو تجھ سے تنگ ہین۔ پھر کہنے لگے " عزیزم سلمہ، ہم تو تمھارے بھلے کے لئے کہتے ہین۔ آگے تم جانو ورنہ ہی خوار ہوگے "۔

سلمہ۔ ہونہ۔ مار توڑالا اور سلمہ۔ تمام دوستون کے سامنے ذلیل کیا سخت تحقیر ہوئی۔ منہ دکھاتے شرم آئیگی۔ سلمہ۔ ہونہ۔ غرض قصہ مختصر یہ کہ اس دن والد نے بڑی تحقیر کی۔ مین بیوقوف تھا۔ جوان عاقلانہ مسائل کا تذکرہ ان نادانون سے کیا کرتا تھا۔ اس دن کے بعد سے مین نے مطلقاً ان لوگون کے سامنے ان عمیق مسائل کا ذکر چھوڑ دیا ہے۔ نادان ہین۔ کم فہم ہین۔ نہ یہ محبت کو جانین نہ جینتان کو "۔

یہ ہے وہ قصہ جو موسم گرما کی ایک گرم دوپہر مین راشد نے مجھے سنایا۔ اپنے حلقہ تعارف مین وہ مخبوط الحواس مشہور ہے بعض جنون اور مالیخولیا کا مرض بتاتے ہین۔ مین نے ذاتی طور پر اسکے متعلق کبھی کچھ نہین سوچا۔ لیکن اگر چاہون تو کہہ سکتا ہون کہ اسکی دماغی حالت اس نقطہ پر ہے جہان دیوانگی اور فرزانگی کے ڈانڈے ملتے ہین پھر کیا اسکی دیوانگی کوئی عجیب یا کمیاب دیوانگی ہے۔ ہم مین کتنے ہین جو اصلیت کے ادراک مین کچھ نہ کچھ اس طرح نہین بھٹک جاتے؟ کتنے ہین جو حقیقت کا پتہ لگا سکتے ہین؟ ہم سب کم و بیش راشد ہی کی طرح چند در چند گمراہیون مین پھنسے ہوئے ہین۔ یہ اور بات ہے کہ ہم مین رازداری اور ضبط کی قوت اس سے زیادہ ہے۔ فرسٹ ایڈ کو اس کے لئے میٹریا میڈیکا کی قائم مقام ہو۔ لیکن غالباً وہ محبت اور جینتان کو ہم مین سے اکثر سے بہتر جانتا ہے!

رفیعی اجمیری

مومن وکلام مومن

(بہ سلسلہ ماہ دسمبر ۱۹۲۹ء)

خصوصیات غزل لغت مین غزل کے معنی ہین "حدیث ز نا ن"، ان کے ساتھ عشقبازی کرنا اور ہمہ عشقبازی مین خطرے کی پروا نہ کرنا

صاحب معجم کی رائے ہے کہ "غزل کو مناسب اور خوشگوار وزن شیرین اور سلیس الفاظ، دلنشین معانی سے آراستہ ہونا چاہئے، درشت کلمات اور ناگوار ترکیب سے بچنا غزل گو کا اولین فرض ہے"

سعدی اور حافظ، جامی اور خسرو غزل کہنے والون کے سرتاج اسی لئے ہین کہ ان لوگون نے غزل کی زبان الگ کرلی ہے۔

اُردو مین غزل گوئی کے میدان مین میرؔ سب سے آگے اس وجہ سے ہین کہ غزل کے لئے انھون نے الگ اقلیم بنا لیا ہے لیکن اس کے ساتھ میرؔ "جذبات تغزل" کے نشہ مین اسقدر متوالے ہین کہ ان کو "الفاظ" اور دوسرے آورد کے اہتمام کی طرف چندان توجہ نہین ہوئی، مومنؔ، نے جذبات کے ساتھ قیود اور پابندی کے آورد مین آمد کا رنگ پیدا کرکے دنیا کے سامنے ایک نئی چیز پیش کی ہے۔

معنوی حیثیت سے دیکھئے کہ غزل کی بنیاد حسن و عشق ہے، حسن عشق پیدا کرتا ہے، عشق سے حسب ذیل اوصاف پیدا ہوتے ہین۔

۱۔ عشق، عاشق کو دلیر اور جانباز بنا دیتا ہے، اس کو جان ایسی چیز کی مطلق پروا نہین ہوتی۔ فارس کا ایک شاعر کہتا ہے:۔

تا سر ندہم پا نہ کشم از سر کویش | نامردی و مردی قدمے فاصلہ دارد

«مومن» اس مضمون کو اس طرح ادا کرتا ہے:۔

کشتۂ ناز بتان روز ازل سے ہون مجھے | جان کھوتے کے لئے اللہ نے پیدا کیا

۲۔ عشق مین معشوق پرستی کے علاوہ عاشق کا کوئی مشغلہ نہین ہوتا، عشق ہی عاشق کا ایمان ہے، عشق ہی عاشق کا مذہب ہے۔ فارس کا شاعر اس مضمون کو یون ظاہر کرتا ہے:۔

دو عالم را بہ یک بار از دل تنگ | برون کردیم تا جائے تو باشد

«مومن» نے اس مضمون کو ایسے انوکھے انداز مین بیان کیا ہے کہ شعر موتی بنگیا ہے:۔

چارہ گر جنت مین اس کے آستانے لیگئے | ایک بھی میری نہ مانی لاکھ سر ٹپکا کیا

"جنت"، راحت و آرام کی مترادف اس کا حصول طلب خدا کا ثمرہ ہے، "مومن" اپنے عشق مین یک در گیر

و محکم گیر، کو کس طرح ثابت کرتے ہوئے آستان یار کو جنت پر ترجیح دیتے ہین۔

۳۔ عاشق، عشق کی مصیبتون سے چھوٹنے کی کوشش نہین کرتا بلکہ ان کو عشق کا شعار جانتا ہے۔ فارسی شاعر کہتا ہے

نالہ از بہر رہائی نکند مرغ اسیر خور د افسوس زمانے کہ گرفتار نبود

"مومن" اس مضمون کو اس طرز مین ادا کرتے ہین :-

اب قید سے امید رہائی نہین رہی ہمدرد پاسبان ہین جو زندانیون مین ہم

عام موازنہ اور مقابلہ کے بعد "مومن" کو جذبات تغزل مین "حافظ" کے سامنے لاکر دیکھئے، حافظ کا پایہ تغزل مین ایسا ہے کہ اُستادانِ فن حافظ کی غزل گوئی کو کرامات کہتے ہین۔

موازنہ حافظ و مومن

(حافظ) جان زابروے عید از ہلال وسمہ کشید
ہلال عید برابروے یار باید دید

(مومن) نیم بسمل ہین نہ چھیڑا اے تپش دل کہ ابھی روئے قاتل کا نظارہ کوئی دم کرتے ہین

حافظ صاحب کہتے ہین کہ ہلال عید کے جو لوگ منتظر ہین ان کو ابروے دوست دیکھنا چاہیے وہی سب کچھ ہے۔

"مومن" ایسے عاشق بیتاب وازخود رفتہ کو عید اور محرم کی کیا خبر وہ نظارہ یار کے وقت بیخودی سے دل کا اضطراب بھی پسند نہین کرتا کہ مبادا اس یکسوئی نظارہ مین فرق آ جائے۔

انصاف شرط ہے دیکھئے دونون شاعرون مین جذبات عشق و محبت کس نے بہتر صورت مین ادا کئے ہین

(حافظ) دانی کہ چیست دولت دیدار یار دیدن درکوئے او گدائی برخسروی خریدن

(مومن) گلی مین اس کے نہ پھر آتے ہم تو کیا کرتے طبیعت اپنی نہ جنت کے درمیان لگی

حافظ کہتے ہین کہ معشوق کے کوچے کی گدائی بادشاہی سے بہتر ہے

"مومن" کا عشق جنت پر کوئے یار کو اس طرح ترجیح دیتا ہے کہ مجال دم زدن باقی نہین رہی

(حافظ) شراب لعل کش وروے مہ جبینان بین خلافِ مذہب آنان جمال ایشان بین

(مومن) مے نہ اتری گلے سے جو اس بن مجھ کو یارون نے پارسا جانا

"حافظ" صاحب شراب پینے اور نظارہ یار کرنے کے علاوہ دنیا مین اور کوئی کام پسند نہین کرتے

"مومن" کے حلق کے نیچے شراب زہر کی طرح بھی ہجر مین اتر نہین سکتی

"حافظ" کے یہان بیشتر خوشحالی اور رندانہ فارغ البالی صورت دکھاتی ہے۔

"مومن" عاشق تن کے یہان اس کا ذکر کہان جذبات تغزل و عشق مین دونون کا فرق ظاہر ہے

"حافظ" سے موازنے کا منشا یہ تھا کہ "مومن" نے جذبات تغزل کا جو مفہوم سمجھا ہے وہ جذبات عشق کے عین مطابق ہے،

عاشق کو جیسا ہونا چاہیے، مومن اپنے اشعار غزل مین نمایان ہے۔

نا قدان فن اور صاحبانِ مذاق نے غزل یا عشق کے جذبات کو ذیل کی صورتون مین نمایان کیا ہے۔

جذبات تغزل

(معشوق کا انداز کج ادائی)

فارسی شاعر کہتا ہے:ـ

آن را کہ نداند رہ کاشانۂ ما را   با غیر نشینی و فرستی ز پئے ما

"مومن" کی شان دیکھئے:ـ

دیکھے ہے مجھ کو دیکھ کے اغیار کی طرف   مجلس مین تا نہ دیکھ سکون یار کی طرف

فارسی شعر مین معشوق اپنے محفل مین بلانے اور غیر کے ساتھ ملاطفت دکھانے اور عاشق کے جلانے کے لئے اس کو ایسے شخص کی معرفت بلواتا ہے جو عاشق کا گھر تک نہین جانتا۔

"مومن" کا رنگ دیکھئے کہ وہ مجلس مین موجود ہے، رقیب کے ساتھ بیٹھا ہوا دیکھتا ہے، اس پر اکتفا نہین بلکہ عاشق کے جلانے کو معشوق عجیب لطیف انداز کج ادائی دکھاتا ہے۔

ارباب فن دونون کا فرق محسوس کرین اور "مومن" کے جذبات کی داد دین،

(معشوق کا ذکر کسی عنوان سے ہو بہتر ہے)

فارسی شاعر کا خیال دیکھئے:ـ

کہ حرف آن مہ نامہربان را در میان پرسم   بہر مجلس کہ جا سازم حدیث نیکوان پرسم

"مومن" کا انداز دیکھئے:ـ

کہ ہر ہر بات پر ناصح تمھارا نام لیتا تھا   نہ مانونگا نصیحت پر نہ سنتا مین تو کیا کرتا

پہلے شعر مین ذکر معشوق معمولی رنگ مین ہے، خود عاشق ذکر کرتا ہے اگرچہ اس کے لئے پیرایہ تلاش کرتا ہے۔

"مومن" نے دشمن عقل "ناصح" کی نصیحت مین عشق کے مزے لئے ہین، اس مضمون کو مومن نے کہان سے کہان پہونچا دیا،

عربی کا ایک شعر بالکل اسی مضمون کا ہے:ـ

حدیث الحبیب علی مسمعی   احب العذول لتکرارہ

نصیحت کرنے والے کی نصیحت اس لئے پسند کرتا ہون کہ بار بار دوست کا نام سننے مین آتا ہے

"مومن" کی بلندئی خیالی نے اور لطیف انداز بیان نے دونون شاعرون کو پست کر دیا

(ستم محبوب)

فارسی شعر:ـ   چندان نمی کند کہ بہ بیداد خو کند   این جورِ دیگر ست کہ آزارِ عاشقان

مومن:ـ

جب مجھے رنج دل آزاری نہ ہو بیوفا پھر حاصل بیداد کیا

مضمون قریب قریب دونون ایک ہین مگر "مومن" نے اپنے شعر مین اثر کی بجلی بھر دی ہے، الفاظ اور بندش سے آسمان شاعری مین ستارے جڑ دئے ہین

(محبوب کی نسبت بد گمانی)

فارسی شاعر کہتا ہے:ـ

کاش اے محرم نمی پرسیدیم کان مہ کجاست یک سخن گفتی و بازا ز صد گمانم سوختی

مومن:ـ

روز کا بگاڑ آخر جان پر بنا دیگا ان کو شوقِ آرائش دل ہے بدگمان اپنا

(معشوق کو خط لکھنا)

فارسی شاعر کہتا ہے:ـ

بہ جانان نامہ ہرگز عاشق بیمار نہ نویسد کہ از بے طاقتی یک حرف را صد بار نویسد

مومن:ـ

حالِ دل یار کو لکھون کیون نکر ہاتھ دل سے جدا نہین ہوتا

(ستم کی ادا)

فارسی شاعر کہتا ہے:ـ

تا مرا در نظر مدعیان خوار کند ہرچہ گویم بخلافِ سخنم کار کند

مومن:ـ

لاش کس کی ہے؟ یہ عدو سے نہ پوچھ مین ہون کشتہ ترے تغافل کا

فارسی شعر مین ابتداے ادا ہے اور مومن کے شعر مین انتہا ہے، لطف بیان نے شعر کو اپنا کر لیا ہے۔

تفصیل کے ساتھ بیان کیا جائے تو ضخیم دفتر ہو جائے، یہان یہ دکھانا منظور ہے کہ "مومن" نے تغزل کا جو مفہوم سمجھا ہے اور دوسرون کو سمجھانا چاہا ہے وہ اپنی جگہ پر بے مثل ہے، مومن سے پہلے فارسی شاعری اُردو کے سامنے جو کچھ ناز کرتی بجا تھا لیکن "مومن" نے اپنے کمال شاعری سے اردو شاعری بالخصوص غزل گوئی کو اس مرتبہ پر پہونچا دیا ہے کہ اس کا جواب مشکل سے کسی زبان مین مل سکتا ہے

"مومن" کا یہ کمال دیکھئے کہ غزل۔ مثنوی۔ قصیدہ۔ واسوخت کی زبان۔ ترتیب الفاظ۔ معانی۔

انداز بیان - لہجہ وغیرہ مین نمایان فرق رکھتا ہے۔

الفاظ غزل غزلون مین مومن نے جس طرح الفاظ کا اہتمام کیا ہے اس کی چند مثالین دیکھ لیجئے:-

یہ جوش یاس تو دیکھو کہ اپنے قتل کے وقت دعائے وصل نہ کی وقت تھا اثر کا "سا"

اس شعر مین لفظ "سا" جس اہتمام سے رکھا گیا ہے اس نے لطفِ معانی کو دوبالا کر دیا ہے۔
یہی "سا" تمام غزل مین علحدہ علحدہ رنگ دکھاتا ہے۔ دوسری غزل مین دیکھئے:-

اس کوچے کی ہوا تھی کہ میری ہی آہ تھی کوئی تو دل کی آگ پہ پنکھا سا جھل گیا

ایسی لذّت خلشِ دل مین کہان ہوتی ہے رہ گیا سینہ مین اس کا کوئی پیکان ہوگا

اس شعر مین لفظ "کوئی" کی تنکیر نے ایسی خوبی اور دلکشی پیدا کر دی ہے جس نے تمام شعر بالخصوص پہلے مصرعہ کو سانچے مین ڈھال دیا ہے۔

درد ہے جان کے عوض ہر رگ و پے مین ساری چارہ گر! ہم نہین ہونے کے جو درمان ہوگا

اس شعر مین "نہین ہونے کے" الفاظ نے محاورہ کی بسیاختگی کے ساتھ اظہار جذبات مین جادو کیا ہے۔

سینے سے گھبرا کے آخر جان لب تک آ گئی حال پہونچا یان تلک اور تم نہ آئے یان تلک

اس شعر کے دوسرے مصرعہ مین یان تلک دو جگہ کس طرح آیا ہے اور دونون جگہ کیا کام کر رہا ہے ارباب فن سے پوشیدہ نہین

کیا دل کو لے گیا کوئی بیگانہ آشنا کیون اپنے جی کو لگتے ہین کچھ اجنبی سے ہم

اس شعر کے دوسرے مصرعہ مین "سے" کتنا فصیح ہے؟

اسے خو پڑ گئی ہے بیطرح زانوے جانانکی یہ سر تکیہ پہ ہمدم جس طرح رکھون نہ ٹھیریگا

اس شعر کے دونون لفظ "بیطرح" اور "نہ ٹھیرے گا" کا انداز دیکھئے

معانی غزل جس طرح غزل مین "الفاظ" درد و بیتابی، بیکسی، جذبات کے اظہار کے لئے مخصوص ہوتے ہین اسی طرح "معانی" کا حال ہے، "مومن" نے اپنی غزلون مین اس کا بھی اسی اعتبار سے اہتمام و لحاظ کیا ہے، مثالون سے ظاہر ہے

کیا سناتے ہو کہ ہے ہجر مین جینا مشکل تم سے بیرحم پہ مرنے سے تو آسان ہوگا

معنوی اعتبار سے یہ شعر کتنا بلند ہو گیا ہے؟

جذبۂ دل کو نہ چھاتی سے لگاؤن کیونکر آپ وہ میرے گلے دوڑ کے اکبار لگا

کیون لگے دینے خطِ آزادی کچھ گنہ بھی غلام کا صاحب

پہلے شعر مین چھاتی سے لگانے کے محاورہ مین معنوی خوبیون کو دیکھئے دوسرے مین پہلے مصرعہ کی رعایت سے غلام

اور صاحب کے الفاظ نے معنوی حیثیت سے شعر کو بہت بلند کر دیا ہے

اس قسم کے اشعار سے تمام دیوان بھرا پڑا ہے۔

لہجہ | غزل مین "لہجہ" کو بھی خاص وقعت اور خاص قوت ہے، مومن کو اس کے ادا کرنے پر بھی غیر معمولی قدرت ہے۔ مثال ملاحظہ فرمایئے۔

دم آخر بھی تم نہین آتے — بندگی اب کہ مین چلا صاحب

جذبِ دل نے غیر کے بھی کیا کہین تاثیر کی — آج کیون آتے ہوئے ہر گام پر رکتے ہین آپ

مومن خدا کے واسطے ایسا مکان نہ چھوڑ — دوزخ مین ڈال خلد کو کوئے بتان نہ چھوڑ

لہجے کی خوبی کے یہی معنی ہین کہ مطلب کو اس طرح ادا کرے کہ اس مین تاثیر پیدا ہو جائے، ان اشعار مین یہ خصوصیت موجود ہے
لہجے کے اعتبار سے "الفاظ" اور معانی مین جو اہتمام ہوتا ہے وہ "مومن" کی غزلون مین بدرجہ اتم موجود ہے

ترکیب و ترتیب | کمال غزل یا کمال شاعری کا انداز ترکیب اور ترتیب سے بھی ہوتا ہے مثلاً:-

اے جذبِ دل وہ شوخ ستمگر تو اک طرف — پیغام لے کے بھی کوئی آیا نہین ہنوز

ہم تا سحر آپ مین نہین تھے — کیا جانے رہے وہ کس کے گھر رات

جو نقاب اٹھی میری آنکھون پہ پردا پڑ گیا — کچھ نہ سوجھا عالم اس پردہ نشین کا دیکھ کر

اثرِ غم ذرا بتا دینا — وہ بہت پوچھتے ہین کیا ہے عشق

ہم نے تفصیل کے لئے عنوان قائم کر کے علیحدہ علیحدہ طور پر مثالین پیش کی ہین ورنہ حقیقت یہ ہے کہ "مومن" کے ہر شعر مین یہ تمام خوبیان یکجا طور پر موجود ہین۔

سلاست زبان

ہم ہین اور نزع شب ہجر مین جان ہونے تک
صبر آتا ہے کوئی تاب و توان ہونے تک

مجھ پہ عاشق نہین ہے کچھ ظالم — صبر آخر کرے وفا کب تک

لے شبِ وصل غیر بھی کاٹی — تو مجھے آزمائے گا کب تک

یا الٰہی مجھ کو کس پردہ نشین کا غم لگا — سینے مین اندر ہی اندر کچھ گھلا جاتا ہے دل

سرمہ ہین اس چشم جادو فن مین ہم — خاک ڈالین دیدۂ دشمن مین ہم

اعجاز سلاست کے اظہار کے لئے مومن کی حسب ذیل غزلین قابل ملاحظہ ہین:-

اثر اس کو ذرا نہین ہوتا — رنج راحت فزا نہین ہوتا

مجھے جنت مین وہ صنم نہ ملا — حشر اور ایک بار ہونا تھا

آسمان راہ پر نہین آتا　　دعوئے خضر بے دلیل ہوا
اسکے اُٹھتے ہی ہم جہان سے اُٹھے　　کیا قیامت تھا دل کا آجانا

اسی طرح ہر ردیف مین وہ غزلین موجود ہین جن پر شاعری اور زبان فخر کرتی ہین۔

مطلع غزل مین مطلع اور مقطع شاعری اور جذبات کی ابتدا اور انتہا ہین مشکل سے کوئی شاعر ایسا ملتا ہے جس کے مطلع اور مقطع دونون بہتر ہون۔

"مومن" مین یہ کمال موجود ہے۔ چند مطلع قابلِ ذکر ہین

آخر امید ہی سے چارۂ حرمان ہوگا　　مرگ کی آس پہ جینا شب ہجران ہوگا
دیدۂ حیران نے تماشا کیا　　دیر تلک وہ مجھے دیکھا کیا
مین نے تمکو دل دیا تمنے مجھے رسوا کیا　　مین نے تمسے کیا کیا اور تمنے مجھسے کیا کیا
امتحان کے لئے جفا کب تک　　التفاتِ ستم نما کب تک
شام سے تا صبح مضطر صبح سے تا شام ہم　　ایک عالم مین ہین کیون اے گردش ایام ہم
دل آگ ہے اور لگائین سگے ہم　　کیا جانئے کسے جلائین سگے ہم

مقطع یہ بیجا مشہور نہین کہ مقطع "مومن" کا حصہ ہے چند مثال اسکی بھی دیکھ لیجئے۔

اے تپ ہجر دیکھ مومن ہین　　ہے حرام آگ کا عذاب ہمین
بتخانہ مین ہو گر ترا گھر　　مومن ہین تو پھر نہ آئینگے ہم
نکل کے دہر سے مسجد مین جارہ اے مومن　　خدا کا گھر تو ہے تیرے اگر مکان نہین
عمر ساری تو کٹی عشق بتان مین مومن　　آخری وقت مین کیا خاک مسلمان ہونگے
بتخانے سے نہ کعبے کو تکلیف دے مجھے　　مومن بس اب معاف کہ یان جی بہل گیا
دوستی اس صنم آفت ایمان سے کرے　　مومن ایسا بھی کوئی دشمن ایمان ہوگا

"مومن" نے غزل کے ہر صنف مین اشعار کہے ہین، ان کے اشعار عاشقانہ بھی ہین رندانہ بھی، ظرافت بھی جھلکتی ہے، شراب کی مستی بھی لیکن کسی صنف کو اپنے خاص رنگ کو ہاتھ سے جانے نہین دیا ہے۔

واعظ اور ناصح کو بڑے بڑے متین اور مہذب شعرا نے بے نقط سنائی ہین اور اس مین وہ تہذیب اور متانت کی حد سے گزر گئے ہین، میر، ایسے خود دار و غیور متین و مہذب شاعر نے بھی اس رنگ مین یہ کہا ہے:۔

مین داڑھی تری اعظ مسجد ہی مین منڈواتا   پر کیا کرون ساتھ اپنے حجام نہین رکھتا

مومن کو اس رنگ مین دیکھئے:-

اس وسعت کلام سے جی تنگ آگیا   ناصح تو میری جان نہ لے دل گیا گیا
کیا پوچھتا ہے تلخیٔ الفت مین پندگو   ایسی تو لذتین ہین کہ تو جان کھا گیا
حورون کی ثنا خوانی واعظ یونہی کب تک نی   ے آکہ ہے نادانی باتون مین بہل جانا

"مومن" نے جہان کہین "خمریات" مین مستانہ مضمون لکھے ہین وہان بھی حدود شرعی سے آگے نہین بڑھے ہین۔
استاد مولانا آسی رح سکندرپوری فرمایا کرتے تھے کہ "شعر ایسا ہونا چاہئے کہ بر سر منبر پڑھا جا سکے"
یہ تعریف "مومن" کے کلام (غزل) پر صادق آتی ہے۔

باقی ــــ باقی

کیفی چریاکوٹی

انتظار

(افسانہ)

یہ افسانہ ٹامس ہارڈی" انگلستان کے مشہور ناول نگار کے ایک افسانہ کا چربہ ہے۔ اس افسانہ مین مین نے بہت کچھ تصرف کیا ہے۔ تاہم افسانہ نگار کا جو مقصد تھا وہ اپنے حال پر قایم رکھا گیا ہے۔

محشر عابدی

(۱)

انتظار نام ہے تمناؤن کی دنیا کا، انتظار کا ختم ہونا اس دنیا کا فنا ہو جانا ہے، کائناتِ انتظار مین وہ تمام رنگین بستیان بس جاتی ہین اوران تمام مسرتون کی روشنیان جگمگانے لگتی ہین جن سے قلب انسانی کو بہت گہرا ربط ہے۔ اس دنیا مین، کسی کی آمد۔ کسی کی ملاقات، کسی کامیابی، کسی مراد اور کسی لطف کا انتظار نشو ونما پاتا رہتا ہے۔ وہ نشو و نما پاتا رہتا ہے یہانتک کہ اس کی عمر کا وہ آخری اور طربناک لمحہ آپہنچتا ہے جب منتظر کو سب کچھ حاصل ہو جاتا ہے۔ لیکن پھر مطلوبہ شے کو پالینے کے بعد انتظار کی مسرتین ختم ہو جاتی ہین

غرض منتظر، اپنی آرزو اور خواہش سے واصل ہونیکے بعد بالکل ویسا ہی بنجاتا ہے جیسے کسی ہرے بھرے درخت سے پھول پھل ٹوٹ جائین، جیسے کسی خوبصورت طائر کے پر نوچ لئے جائین یا جیسے کوئی تھیٹر کا ایکٹر اپنی تمام آرائشون سے محروم کر دیا جائے۔

(۲)

صابرہ کی غمگین زندگی گویا انتظارِ مجسم تھی۔ وہ حسین تھی، لیکن نہ اتنی حسین کہ حور کا دھوکہ ہو، شاید اب سے کچھ عرصہ قبل وہ ایسی ہی رہی ہو لیکن اب اس مین نہ کوئی ساحریت تھی اور نہ اور کوئی خصوصیت کیونکہ اسکی زندگی، ناکامیون اور مایوسیون کا گہوارہ بن چکی تھی، وہ ایک کمزور اور نازکبدن عورت تھی، اور اس کی عمر بیس برس کی تھی، اس کے اعضا بہت متناسب اور موزون تھے لیکن اب ان مین انحطاط نمودار ہو چلا تھا۔ اس کے رخسار جو کسی وقت گلاب کی طرح چمکتے تھے اب ان پر زردی چھا گئی تھی۔

صابرہ ایک غریب گھرانے کی لڑکی تھی، اور قسمت سے اسکی شادی بھی ایک غریب ہی خاندان مین ہوئی تھی لیکن شادی کے بعد یہ ضرور تھا کہ دونون میان بیوی انتہائی الفت ومحبت کی زندگی بسر کرتے تھے۔

مگر انقلاباتِ زمانہ اور گردشِ ایام نے انھین اس غریبی مین بھی سکون سے ایک ساتھ بیٹھنے نہ دیا۔ اور وہ وقت بہت جلد آپہنچا۔ کہ میان بیوی ایک دوسرے سے ایک نامعلوم زمانہ کے لئے جدا ہو جائین

(۳)

"صابرہ، خدا کو یہی منظور تھا۔ اس کا غم نکرو۔ اگر مین زندہ رہا تو بہت جلد واپس آ دنگا" شاہد نے صابرہ کا ہاتھ اپنے ہاتھون مین لیتے ہوئے کہا جب وہ ایک گوشہ مین بیٹھی ہوئی اپنے تاریک مستقبل پر غور کر رہی تھی

صابرہ "تھین کیا خبر کہ تمھارے بعد میری کیا حالت ہوگی۔ تم نہین سمجھ سکتے"

اس کی سُرمگین اور پُر نور آنکھون مین آنسو جھلکنے لگے۔

شاہد:۔ تھین رونا نہ چاہیے۔ صابرہ تمھین صبر و استقلال سے کام لینا چاہیے۔ کیا تم سمجھتی ہو کہ جنگ سے واپس آنیکی اُمید باقی نہین رہتی۔؟

صابرہ:۔ ہان مین تو یہی سمجھتی ہون شاہد ــــ کہ میری زندگی وبال ہوجائیگی۔

شاہد:۔ صابرہ تمھین اس قدر جلد مایوس نہونا چاہیے۔ کیا تم خدا کو بھول گئی ہو؟ کیا ہماری آیندہ ملاقات کو محض ایک وہم تصور کرتی ہو۔ صابرہ اگر تمھارا یہی حال رہا تو مجھے کہین بھی چین نہین مل سکتا۔ اور مین کچھ نہ کرسکونگا صبر سے کام لو۔ اور خدا پر بھروسہ کرو۔ اس کی قدرت سے تو یہ بات بعید نہین ہے۔

صابرہ:۔ مگر آہ میرا دل تو بے قابو ہوا جاتا ہے شاہد مجھسے ضبط نہین ہو سکتا۔

وہ رونے لگی شاہد نے اُسے اپنی آغوش مین لے لیا۔ اور اس طرح دونون میان بیوی بہت دیر تک روتے رہے؟

(۴)

آفتاب کی شعاعین صابرہ کے حرمان نصیب کاشانہ پر سیاہ بادلون کی طرح چھائی ہوئی تھین۔ وہ گھر سے ملے ہوے ایک ویران چمن کے ایک ویران کونہ مین بیٹھی ہوئی اپنی بدنصیبی پر ماتم کر رہی تھی۔ اور کیون نکرتی جب دنیا مین خدا کے سوا اُسکا اور کوئی سہارا نہ تھا۔ یہ جدائی اُسے اس قدر شاق گذری کہ کئی دن تک کھانا پینا حرام ہوگیا۔ اس جدائی نے گویا اس کے تمام جسم کی روح نکال لی تھی اور صرف دماغ مین اس کا اثر باقی رہگیا تھا وہ اب دنیا مین تنہا تھی۔ تنہا اور بالکل اکیلی۔ اُس کی ساس اور خسر عرصہ ہوا کہ مرچکے تھے۔ صرف صابرہ کی مان زندہ تھی۔ شادی کے کچھ دنون کے بعد اس کا بھی انتقال ہوگیا ــــ مان کی جدائی نے صابرہ کو بہت تکلیف پہنچائی اور ابھی وہ غم دل سے نبھولا نہ تھا کہ شوہر کی جُدائی کا مُنہ دیکھنا پڑا۔ اب اس صدمہ کو برداشت کرنیکی طاقت اُس مین بالکل نہ رہگئی تھی اسوقت اس کی حالت بالکل اُس جہاز کی طرح تھی جو طوفان مین ہچکولے رہا ہو اور جس کے بچنے کا یقین بالکل موہوم سی شکل اختیار کرچکا ہو۔ اس کی زندگی گذارنے کا سوائے اس کے اور کوئی ذریعہ نہ تھا کہ وہ محنت مزدوری کرکے اپنے ان تمام مصیبت کو کاٹے۔ کیونکہ شاہد جو کچھ دے گیا تھا وہ رقم بہت مختصر سی تھی۔ لیکن اس نے یہ وعدہ بھی کیا تھا کہ وہ جہان بھی رہے گا تنخواہ بھیجتا رہیگا۔

(۵)

شاہد کو گئے چار سال کا عرصہ گذر گیا۔ لیکن نہ کوئی خط آیا۔ نہ روپیہ جو کچھ رقم موجود تھی صابرہ نے نہایت کفایت شعاری سے صرف کی۔ اور اب سلائی وغیرہ پر نوبت پہنچ گئی تھی۔ ایک ایک دن اس کے لئے کوہ الم معلوم ہوتا تھا۔ روزانہ، ہر وقت اُسے شاہد کا خیال رہتا۔ ہر گھڑی شاہد کی شکل اس کی نظروں مین پھرا کرتی۔ وہ ہر چیز مین صرف شاہد کو دیکھتی تھی اکثر اوقات جب اس کی مہربان ہمسائی اس کی خیریت پوچھنے اور مزدوری دینے کو آتی تو اُسے شاہد کا دھوکہ ہوتا۔ جب کبھی باہر نظر اُٹھا کر دیکھتی تو اُسے ہر شخص پر شاہد کا گمان ہوتا۔ لیکن شاہد نہ آج آتا تھا نہ کل۔ انتظار ایک ہیبتناک جن کی طرح صابرہ پر سوار ہو گیا۔ اور اس کی زندگی کو گریہ وزاری، درد و کرب مین تبدیل کر دیا۔

راتون کو اکثر سوتے سوتے وہ جاگ اُٹھتی۔ اور اس کی زبان سے یہ الفاظ نکلنے لگتے "شاہد تمھاری جدائی نے بہت تڑپایا۔ دیکھو روتے روتے میری کیا حالت ہو گئی ہے؟"

وہ ان الفاظ کے ساتھ ہی اُٹھ بیٹھتی۔ دیوانون کی طرح ادھر اُدھر دیکھنے لگتی دوڑ کر دروازہ کے پاس پہنچتی۔ دروازہ کھول دیتی، باہر غور سے نظر دوڑاتی۔ جہان صرف شفاف چاندنی پھیلی ہوئی ہوتی اور ہر طرف سناٹا طاری رہتا۔ اس منظر سے اس کے دل پر اور چوٹ لگتی۔ وہ ویسے ہی دروازہ کھلا ہوا چھوڑ کر واپس آجاتی۔ پلنگ پر لیٹ جاتی روتے روتے اور کروٹین بدلتے بدلتے صبح کر دیتی۔

شاہد کے انتظار مین وہ بالکل دیوانہ بن گئی تھی۔ پانی کا کٹورا اُٹھا کر منہ تک لے جاتی تو اُسے پانی مین شاہد کا چہرہ دکھائی دیتا۔ وہ پانی پینا بھول جاتی بعض اوقات آدھ آدھ گھنٹہ تک اُسے دوسری گھونٹ پینے کا خیال نہ آتا

بارہا شاہد کا تصور اُسے اس قدر بیخود بنا دیتا۔ کہ پانی کا گلاس اس کے ہاتھ سے چھٹ کر گر پڑتا۔ اور اُسے خبر نہ ہوتی۔

(۶)

چھ سال ہو گئے لیکن شاہد کا کہین پتہ نہ لگا نہ کوئی خط آیا۔ صابرہ کی ہمسائی اس پر بہت مہربان تھی، اُسے صابرہ سے محبت تھی اور انتہائی الفت۔ وہ صابرہ کی اس دردانگیز حالت کو دیکھکر بہت کڑہتی تھی۔ وہ صابرہ کا غم غلط کرنے کے لئے اپنی فرصت کا تمام وقت اُسی کے پاس رہکر گذار دیتی اور ہر طرح اسکو تسکین دیتی ــــــ صابرہ کی اس دردناک حالت پر اُسے بہت ترس آتا تھا۔ وہ اس کے غم والم کو رفع کرنیکی دل وجان سے متمنی تھی۔ لیکن اس کا دور کرنا اس کی طاقت سے باہر تھا۔ صابرہ اپنی ہمسائی کی باتون کو غور سے سُنتی۔ اس سے کسی قدر اس کی تسلی ہو جاتی۔ لیکن بعض مرتبہ شاہد کی یاد اس سے اور تازہ ہو جاتی۔ اس سے برداشت نہ ہوتا اور وہ رونے لگتی۔ اس کی ہمسائی بھی مجبوراً اس کا ساتھ دینے لگتی

انتظار ایک لامتناہی انتظار تھا جسے صابرہ نے اپنی زندگی کا نصب العین قرار دے لیا تھا۔ وہ سمجھنے لگی تھی کہ خدا نے اُسے اسی انتظار کے لئے پیدا کیا ہے وہ جاننے لگی تھی کہ اسی انتظار میں اس کی زندگی ختم ہونیوالی ہے۔ تاہم اس انتظار میں کبھی کبھی اُسے اُمید کی جھلک بھی نظر آجاتی۔ ایک طرب آفرین اُمید۔ شاہد سے ملاقات کی اُمید اور اُسے کچھ دیر کے لئے سکون حاصل ہوجاتا۔

ایک دن شام کو جب وہ خاموش بیٹھی کوئی کپڑا سی رہی تھی۔ دروازہ پر دستک کی آواز آئی۔ وہ اُٹھکر گرتی پڑتی دروازہ کی طرف دوڑی۔ اس کا دل فرطِ جوش سے سینہ میں اُچھلنے لگا اس کے قدم نہ اُٹھتے تھے — دروازہ کھل گیا، لطیف سامنے کھڑا تھا۔

صابرہ یہ منظر دیکھکر سکتہ کی حالت میں آگئی۔ اُسے اُمید کچھ اور تھی اور نظر آیا کچھ اور، اُس کی اُمید کے خلاف لطیف نے محبت بھری نظروں سے اپنی خالہ زاد بہن کی طرف دیکھا۔ اُسے ایک نامعلوم کیفیت کا احساس ہوا۔ جو اس کے جسم کے ہر رگ و ریشہ میں برق کی طرح سرایت کرگئی۔ صابرہ چونک پڑی اور بیساختہ بھائی بھائی کہکر لطیف کے دونوں ہاتھ پکڑلئے۔ آنسو۔ محبت کے آنسو — درد کے آنسو۔ خون کے آنسو دونوں کی آنکھوں میں ڈبڈبا رہے تھے۔

(۷)

لطیف کی آمد نے صابرہ کے صحیفۂ زندگی کا دوسرا ورق اُلٹ دیا۔ صابرہ کے جذبات نے کروٹ لی۔ چھ سال کی سوئی ہوئی خواہشیں آنکھیں ملتی ہوئی اُٹھ بیٹھیں۔ لطیف کے جسم کو جب اس کے ہاتھوں نے مس کیا تو اس کو اپنے اندر خون کی ایک گرم لہر دوڑتی ہوئی محسوس ہوئی۔ اور وہ جذبہ ایک انوکھی کیفیت میں ظہور پذیر ہوا۔ انوکھی اور بالکل عجیب — "محبت" — !

لطیف کی عمر ابھی تیس سال سے زیادہ نہ تھی۔ وہ ایک تندرست توانا اور خوشرو جوان تھا اس کی شادی ہوچکی تھی۔ لیکن بیوی کا انتقال ہوگیا تھا۔ وہ شاہد سے ملنے کے لئے آیا تھا لیکن یہاں کا یہ عجیب سمان دیکھکر وہ بھی کچھ اور محسوس کرنے لگا۔ یعنی صابرہ سے ایک دلی تعلق۔ اور یہ بات دونوں پر منکشف ہوگئی۔ کہ ان دونوں کے تعلقات میں بھائی بہن کے رشتہ سے مختلف کچھ اور کیفیات پائی جاتی ہیں۔ لیکن یہ جذبہ مخفی طور سے ترقی پذیر ہوتا رہا۔ دونوں میں سے کسی کو اس کے اظہار کی جرائت نہوتی تھی کیونکہ ابھی دونوں کے دلوں میں ایک دوسرے کا احترام موجود تھا۔

لطیف، تنہائی کے خیال سے صابرہ کے پاس نہ رہتا تھا۔ بلکہ اس نے علیحدہ مکان لے رکھا تھا۔ اس خوف سے کہ لوگ کسی قسم کا شبہ نہ کریں۔ اس طرح صابرہ کو بھی اطمینان ہوگیا۔ لطیف روزانہ صابرہ کے پاس آتا تھا اور تمام وقت اس سے باتوں میں گذار دیتا تھا۔ اس طرح محبت کے پینگ بڑھتے جارہے تھے۔ صابرہ شاہد کو کچھ کچھ بھولنے لگی۔ اُسے لطیف کی باتوں میں بہت لطف حاصل ہوتا۔ اور وہ بہت غور سے اُنھیں سنا کرتی تھی۔

کچھ عرصہ اسی طرح گذر گیا - ایک دن شام کو جب صابرہ صحن مین بیٹھی ہوئی آسمان پر ادھر ادھر اڑنیوالے ابر کے ٹکڑون کا تماشا دیکھ رہی تھی - لطیف مکان مین داخل ہوا - وہ مسرور تھا اس کے چہرہ سے سکون ٹپک رہا تھا - صابرہ نے دیکھا نگاہین نیچی کر لین - وہ آکر قریب ہی بیٹھ گیا - اور کچھ سوچنے کے بعد کہنے لگا - صابرہ مین آج تم سے کچھ کہنا چاہتا ہون شاید تمھین ناگوار گذرے - مگر مین یہ کہے بغیر نہین رہ سکتا - کہ تم یونہی کب تک انتظار کرو گی ؟

صابرہ کے دل مین اس سوال سے ایک بیچینی سی پیدا ہو گئی وہ نہ سمجھ سکتی تھی کہ لطیف کو اس سوال کا کیا جواب دے ؟ بمشکل تمام اس نے کہا - تمھارا کہنا ٹھیک ہے لطیف - مگر مین مجبور ہون

لطیف :- چھ برس کے بعد مجبوری ؟ صابرہ تمھین اپنا خیال کرنا چاہئے - تم نے بہت کافی انتظار کر لیا ہے -

صابرہ :- لیکن تمھارا اس سے کیا مطلب ہے ؟

لطیف :- میرا مطلب ؟ ---- صابرہ تم خود سمجھ سکتی ہو - لطیف تمھاری ہر خدمت کے لئے تیار ہے

یہ کہکر وہ چپ ہو گیا اور صابرہ کے چہرہ پر آنکھین گڑا دین - صابرہ لطیف کے آخری جملہ پر غور کر رہی تھی اس کا سر جھکا ہوا تھا اور وہ اپنے ناخن پر نظرین جمائے تھی - اس نے دیکھا ---- اس نے تصور مین دیکھا کہ شاہد سامنے کھڑا ہے اس نے آنکھین بند کر لین - بہت دیر تک وہ آنکھین بند کئے رہی - لطیف سکوت کے ساتھ صابرہ کی ان وجدانی کیفیات کا مشاہدہ کرنے لگا - اور اس کی محبت اور شوہر پرستی کی عبادت کا ، جو اس کی حرکات سے سرزد ہو رہی تھین مطالعہ کرتا رہا - صابرہ نے یکایک آنکھین کھولدین - اُسے شاہد کے آنیکی نئی اُمید پیدا ہو گئی - اس نے لطیف سے کہا - " لطیف ابھی ایک سال اور انتظار کرو - "

(۸)

انتظار کی گھڑیان ، ہزارون ارمان اور آرزؤن کے ساتھ گذرتے لگین اور دونون کے لئے ایک ہی طرح کی بیچینیان پیدا کرنے لگین - لطیف صابرہ کے عیش و آرام کا خیال حد درجہ ملحوظ رکھتا تھا اس نے اس کی آسائش کیلئے ہر قسم کا سامان مہیا کر دیا تھا -

دن گذر گئے ---- ہفتے گذر گئے ---- مہینے گذر گئے ---- سال ختم ہونے لگا اور صرف ایک ہفتہ باقی رہگیا تو لطیف نے صابرہ سے دریافت کیا کہ شادی کی تیاریان شروع کر دی جائین - صابرہ نے جواب دیا ابھی ایک برس اور ٹھہرو شاہد کی یاد صابرہ کے محبت آمیز دل مین ابھی تک باقی تھی - ابھی شاہد کا تصور کلیتہً فنا نہوا تھا - لطیف کی تمنا تھی کہ جلد یہ وقت کسی طرح گذر جائے - صابرہ کی آرزو تھی کہ یہ دن بڑھتے چلے جائین شاید اس اثنا مین شاہد آجائے - دوسرا سال بھی گذر گیا

صابرہ نے لطیف سے خواہش کی کہ ابھی ایک ماہ اور صبر سے کام لو - لطیف کو مجبوراً صابرہ کی باتون کو ماننا پڑتا تھا

اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا۔ لیکن اب اُسے یقین ہو گیا کہ یہ زمانہ بہت قلیل ہے۔ اور شاید اب عقد مین کوئی رکاوٹ نہ پیدا ہو۔ ایک ماہ کا زمانہ ختم ہو گیا

لطیف نے ایک دن صابرہ سے پوچھا۔ صابرہ آج ایک ماہ بھی ختم ہو گیا۔ اور اب شاید تمھین کوئی عذر نہوگا اگر شاہد کو آنا ہوتا تو وہ آ بھی جاتا

صابرہ نے جواب دیا:۔ ہان لطیف یہ سب ٹھیک ہے لیکن اُمید پر دنیا قائم ہے اگر دو ہفتے اور انتظار کر لو تو کیا حرج ہے

لطیف:۔ اچھا تو دو ہفتے مین اور ٹھہر سکتا ہون۔ لیکن میرا خیال ہے کہ مجھے تمام سامان کر لینا چاہئے

صابرہ:۔ جیسی تمھاری مرضی ہو۔ لیکن میرا تو یہ خیال ہے ایک ہفتہ کے بعد شروع کرنا

لطیف:۔ جیسا تم کہو۔

ایک ہفتہ بھی باتون ہی باتون مین گذر گیا۔ صابرہ کی آنکھین انتظار مین پتھرا گئین۔ لیکن شاہد کو نہ آنا تھا نہ آیا صابرہ نے خیال کیا کہ اب انتظار فضول ہے اور شاہد کی واپسی نا ممکن شکل اختیار کر چکی ہے آٹھ برس گذر گئے لیکن کوئی خبر نہین آئی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید اب وہ اس دنیا مین نہین۔ اس کا دل فرط غم سے بھر آیا۔ وہ رونے لگی ـــــ رات بھر روتی رہی

(۹)

نکاح کا دن تھا۔ لطیف نے اپنے اور صابرہ کے لئے کپڑے وغیرہ بنوا لئے تھے اور تمام ضروری سامان لا کر صابرہ کو دیگیا تھا۔ صبح وہ کچھ اور چیزین لایا۔ اور یہ کہہ کر چلا گیا کہ وہ شام کو قاضی کو لیکر آئیگا۔ صابرہ نے تمام چیزین لے لین۔ اپنی ہمسائی کو یہ واقعہ پہلے ہی بتا دیا تھا۔ وہ اس عقد کو سنکر بہت خوش ہوئی۔ اس نے عمدہ عمدہ کھانے پکا کر تیار کئے اور شام کو اُسے کپڑے پہنا کر دولہن بنا دیا۔ اور خود اس کے پاس بیٹھی رہی۔ جب لطیف کے آنے کا وقت قریب ہو گیا تو صابرہ کے کہنے سے اس کی ہمسائی نے کھانا برتنون مین نکالکر ایک علیحدہ کمرہ مین چن دیا۔

اب صابرہ تنہا بیٹھی تھی۔ اور معلوم نہین کیا کیا سوچ رہی تھی۔ یکایک دیوار مین لگا ہوا تختہ کھونٹی نکل جانیکی وجہ سے اُلٹ گیا۔ اور اس پر رکھی ہوئی گھڑی نیچے گر کر چُور چُور ہو گئی۔ صابرہ اس اچانک حادثہ سے گھبرا گئی۔ وہ اُٹھکر گھڑی کے پاس آئی۔ دیکھا تو وہ ٹوٹی پڑی ہے۔ یہ گھڑی اس کے والد کی نشانی تھی جسے وہ بہت عزیز سمجھتی تھی۔ اور انتہائی تکلیف کے وقت بھی اُسے فروخت کرنے کا خیال نہ کیا تھا۔ اس اثنا مین ہمسائی بھی گھبرائی ہوئی آگئی۔ اور اس نے پوچھا۔ کیا ہوا۔؟

صابرہ نے حسرت آمیز لہجہ مین جواب دیا۔ گھڑی آپ ہی آپ گر کر ٹوٹ گئی

ہمسائی نے آہ سرد بھرتے ہوئے کہا۔ یہ شگون تو اچھا نہین ہے

یہ سن کر صابرہ کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ یون تو ٹوٹنے ہی کا صدمہ اُسے کیا کم تھا مگر اب اس شگون کو سُنکر۔ اور بھی قلق پیدا ہو گیا۔ لیکن آنیوالی گھڑیان زیادہ نازک تھین اور چونکہ مستقبل مین عشرت کی چمک نظر آ رہی تھی اس لئے اُس نے اس واقعہ کا زیادہ خیال نہ کیا اور لطیف کی آمد کا انتظار کرنے لگی۔ "سات بج چکے تھے" اس وقت صرف صابرہ مکان مین تھی۔ اس کی ہمسائی اپنے گھر چلی گئی تھی۔ دروازہ کی کنڈی کھٹکھٹانیکی آواز آئی۔ دروازہ کھولنے کو کوئی اور موجود نہ تھا۔ خود صابرہ کو اٹھنا پڑا۔ اُس نے خود جا کر دروازہ کھولدیا۔ اُسے یقین تھا کہ لطیف آیا ہوگا۔ مگر اس کے تعجب کی کوئی انتہا نہ رہی جب اس نے دیکھا کہ ایک شخص ایک صندوق اور بستر لئے ہوئے کھڑا ہے صابرہ کو دیکھکر مزدور نے کہا:۔ یہ سامان شاہد میان نے بھیجا ہے۔ وہ ابھی تھوڑی دیر کے بعد آئینگے۔

یہ لفظ بجلی کی طرح صابرہ کی آنکھون مین کوندگئے۔ اُسے معلوم ہوا کہ زمین اس کے پاؤن تلے سے نکل گئی۔ اُسے محسوس ہونے لگا کہ وہ تحت الثرےٰ مین دہنستی چلی جا رہی ہے اس وقت اس کے اضطراب قلب اور بدحواسیون کا منظر دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ وہ جون کی تون کھڑی رہی۔ وہ کچھ سوچ رہی تھی، جسے وہ خود نہ سمجھ سکتی تھی۔ وہ کچھ دیکھ رہی تھی لیکن اُسے سب بالکل خواب معلوم ہو رہا تھا۔ اُس نے اس مزدور کی آمد کو محض ایک تصور سمجھا۔ مزدور نے پھر کہا۔ یہ سامان اندر رکھدون یا باہر ہی۔ اب صابرہ کو ہوش آیا اس نے مزدور کو پردہ مین ہو کر اندر بلا لیا۔ وہ سامان رکھکر چلا گیا۔ یہ سامان ایک صندوق تھا جس پر شاہد کا نام لکھا تھا اور جسے صابرہ پہچانتی تھی۔ اور ایک بستر

اس کی سمجھ مین اب کچھ نہ آتا تھا کہ اُس شادی کا اب کیا انجام ہوگا۔ اور وہ شاہد کو اس کا کیا جواب دیگی۔ تاہم اسکے افسردہ دل و دماغ مین مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ وہ مسرور ہو گئی۔ اس کے رخسارون مین گلابی رنگ عود کر آیا۔ تبسم ہونٹون پر چمکنے لگا۔ وہ نئے سر سے جوان ہو گئی ۔ اتنے مین ہمسائی بھی آگئی۔ صابرہ نے اس سے سارا حال بیان کر دیا۔ اور سامان بھی دکھایا۔ ہمسائی نے پوچھا ۔ پھر اب لطیف کو کیا جواب دو گی؟

صابرہ نے جوابدیا:۔ کیون ؟ مین سب حال اُن سے کہدونگی

ہمسائی بولی:۔ لطیف ابھی تک نہین آئے ۔ آٹھ بجنے چاہتے ہین ۔ اب مین جاتی ہون ضرورت ہو تو بلا لینا

ہمسائی چلی گئی صابرہ اب پھر تنہا رہگئی۔ اور شاہد کا خیال اب اس کے دماغ مین سمایا ہوا تھا لطیف کے متعلق گویا وہ بالکل کچھ جانتی ہی نہ تھی۔ لطیف نے دروازہ پر قدم رکھا تو وہ چونک پڑی۔ لطیف اُسے لباس عروسی مین دیکھکر خوش ہو گیا۔ وہ اندر داخل ہو کر بیٹھنے بھی نہ پایا تھا کہ صابرہ نے کہا۔ "لطیف تم نے کچھ اور بھی سنا۔؟

لطیف نے کسی قدر گھبرا کر سوال کیا:۔ کیا؟

صابرہ نے جوابدیا:۔ تمھارے بہنوئی کا سامان آیا ہے اور وہ آنے ہی والے ہین"

اس جملہ نے لطیف کی ساری تمناؤن پر پانی پھیر دیا۔ اس پر یہ الفاظ صاعقہ بنکر گرے اسکے جذبات مین

ہل چل مچ گئی ۔۔ وہ بالکل دیوانہ سا ہو گیا۔ اس کے منہ سے کوئی بات نہ نکلتی تھی۔ بمشکل تمام اس نے کہا:۔ "اچھا تو صابرہ مین جاتا ہون۔ پھر آونگا" یہ کہکر وہ چلا گیا

(۱۰)

۹ بج گئے ۔۔ دس بج گئے۔ گیارہ بج گئے ۔۔ شاہد کا ابھی تک پتہ نہ تھا۔ صابرہ بار بار دروازہ کھولکر جھانکتی لیکن سڑک پر سناٹا چھایا رہتا۔ یا کبھی کبھی دُور جانیوالے لوگون کے قدمون کی آواز گوش گذار ہوتی تھی، جن پر اُسے شاہد کے آنیکا دھوکہ ہوتا تھا۔ وہ تنہا بیٹھی انتظار کرتی رہی۔ اس نے ہمسائی کو بھی نہ بلایا کہ اس کی نیند خراب ہوگی۔ انتظار ہی انتظار مین بارہ بج گئے۔ نیند اس کی آنکھون سے اُڑ گئی تھی۔ اُسے ہر وقت یہی معلوم ہوتا تھا کہ شاہد اب آنا ہی چاہتا ہے۔ اس ایک خیال کے ساتھ نئی نئی امنگون اور طرح طرح کے ولولون کا اس کے دل پر اثر سا چھا جاتا۔ اور وہ خود کو بہت خوش نصیب سمجھنے لگتی۔ لیکن جب پھر گھنٹا بجنے کی آواز آتی۔ تو یہ خیال یاس کی گھٹا بنجاتا۔ اور پھر نظرون سے اُوجھل ہو جاتا۔

دو بج گئے ۔۔ تین بج گئے ۔۔ چار بج گئے ۔۔ شاہد کی صورت ابتک نظر نہ آئی تھی لیکن صابرہ، وفا کی دیوی، پیت کی ماری، پتی کی بچاری، ابتک لباس عروسی مین بیٹھی گرسنہ نگاہون سے شوہر کا انتظار کر رہی تھی۔ کھانا دسترخوان پر رکھے رکھے برف ہو چکا تھا۔ صبح ہو گئی

ہمسائی صابرہ سے ملنے کو آئی۔ اس نے دیکھا تنہا صابرہ بیٹھی ہوئی ہے اُسے تعجب ہوا کہ کیا معاملہ ہے اس نے حیرت سے پوچھا:۔ تم ابھی تک یہین بیٹھی ہو۔؟ شاہد نہین آئے۔

صابرہ نے جوابدیا:۔ نہین ابھی تک تو نہین آئے۔

ہمسائی بولی:۔ پھر اب کیا ارادہ ہے۔

صابرہ نے کہا:۔ کچھ نہین ۔۔ شاید اس وقت آجائین۔

دن بھر اسی اُمید افزا انتظار مین گذر گیا لیکن شاہد نہ آیا۔

(۱۱)

شاہد گاڑی سے اُتر کر اسٹیشن کے باہر آیا۔ اس نے ایک مزدور کو اپنا سامان دیکر اپنے گھر کا پتا بتا دیا تھا۔ اور سامان پہنچانیکو کہدیا تھا۔ وہ خود ایک ہوٹل مین کسی ضرورت سے ٹھہر گیا۔ کچھ دیر کے بعد جب وہ وہان سے نکلکر گھر کی طرف روانہ ہوا تو۔ راستہ مین پستول کی آواز سنائی دی۔ گولی، شاہد کو لگی اور وہ زخمی ہو کر گر پڑا۔ پولیس نے اُس کو ہسپتال پہنچا دیا۔

لطیف کا دل ٹوٹ گیا تھا وہ نہایت مغموم تھا۔ مغموم اور مضطرب بھی۔ لیکن وہ کیا کر سکتا تھا۔ وہ کچھ نہ کر سکتا تھا

وہ سب کچھ کرنے سے مجبور تھا۔ دوسرے کی چیز پر کسی کا کیا بس؟ وہ اپنی نادانی پر تاسف کرتا رہا۔ اس نے اب صابرہ کے پاس جانا مناسب نہ سمجھا اور اس کی طبیعت بھی نہ چاہتی تھی۔ دوسرے روز وہ وہاں سے اپنے گھر واپس چلا گیا۔

شاہد کے انتظار میں دن گذرے، راتیں گذریں۔ ہفتے گذرے، مہینے گذرے اور سال تک نوبت آ پہنچی پھر اس کی کوئی خبر نہ معلوم ہوئی۔ کہ اُسے زمین کھا گئی یا آسمان وہ زندہ ہے یا مر گیا "کئی سال گذر گئے"

صابرہ کی امیدیں ناکامیوں میں تبدیل ہو گئیں۔ اس کی جوانی انتظار کے ہاتھوں فنا کے گھاٹ اُتاری جا چکی تھی اس کی شوخیاں سنجیدگیوں میں گم ہو چکی تھیں، اس کی رعنائیاں ضعف کا نقشہ بن گئی تھیں۔ اس کا حسن لٹ چکا تھا اس کی شوہر پرستی ایک تصویر خیالی بنکر رہ گئی تھی۔ اور وہ ایک ڈھانچہ تھی۔ چند ہڈیوں کے مجموعہ کا۔ ایک ضعیفہ تھی جس کے بالوں میں سیمیں چمک تجربہ کاری کی مظہر تھی۔ اس کے چہرہ پر جھُریاں پڑ گئی تھیں اور اس کی بینائی میں بھی فرق پیدا ہو گیا تھا۔

"اب بھی صابرہ شاہد کا انتظار کر رہی تھی"

صابرہ میں اب صرف سانس باقی رہ گئی تھی۔ ورنہ حقیقی معنوں میں وہ مردہ تھی۔ یہ سانس صرف شاہد کے نام سے وابستہ تھی۔ کہ شاہد اب بھی شاہد آجائے۔

دنیا گردش کرتی رہی، سورج نکلتا اور غروب ہوتا رہا۔ چاند جگمگاتا اور چھپتا رہا۔ دن رات آتے جاتے رہے۔ سردی اور گرمی اپنے اپنے وقت پر ظہور پذیر ہوتی رہتی۔ لیکن شاہد بالکل خیال، اور خیال سے بھی نازک کوئی شے بن گیا تھا۔ جو دماغ میں بھی نہ آ سکتا تھا۔

ایک رات جب تمام آسمان سیاہ بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ بجلی زور زور سے کوندرہی تھی! ور بادل گرج رہے تھے۔ پانی کی موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔ صابرہ اپنے گھر میں بیٹھی ہوئی قدرت کے ان بھیانک مناظر کا اکیلی مشاہدہ کر رہی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس بارش اس رات کی تاریکی، چمکنے والی بجلی اور گرجنے والے بادلوں سے شاہد کا پتہ پوچھ رہی تھی۔ یکایک دروازہ کھُل گیا۔ لیکن اُسے خبر نہ ہوئی وہ معلوم نہیں کس خیال میں محو تھی۔ وہ دفعتہً چونک پڑی۔ اس نے دیکھا۔ غور سے اور آنکھیں گڑا کر، سامنے ایک انسان کھڑا تھا۔ ایک لاغر، نحیف اور لمبی داڑھی والا انسان۔ جس کا تمام جسم پانی سے تر بتر ہو رہا تھا۔ آنیوالے کے منھ سے نکلا۔ "صابرہ"۔ اور صابرہ آندھی کی طرح اُٹھی اور تیر کی طرح اس کے پاس جا پہنچی مگر صرف یہ الفاظ اس کی زبان سے نکلے۔ "شاہد مجھے تمہارا ہی انتظار تھا"

اس نے اپنے دونوں ہاتھ شاہد کے گلے میں ڈالدیئے اور اس کی روح شاہد کے پاس سے پھر اس کے جسم میں واپس نہ آئی

محشر عابدی

حکومت برطانیہ کی وسعت کا راز

فتح ہندوستان کے مختلف مناظر

سَر جان سیلی کے پانچ لکچروں کا ترجمہ دسمبر ۱۹۲۹ء تک شایع ہو چکا ہے یہ چھٹے لکچر کا ترجمہ ہے

یہان تک جو کچھ بیان کیا گیا اسکا ماحصل یہ ہے کہ ہندوستان مین ایک ایسا نتیجہ پیدا ہوا جو اتنا حیرت انگیز نہین جتنا عام طور پر خیال کیا جاتا ہے۔ البتہ یہ نتیجہ اپنی عظمت کے لحاظ سے ضرور قابل لحاظ ہے اور پھر اس سے آئندہ جو نتائج پیدا ہونے والے ہین وہ بھی نہایت مہتم بالشان ہین

اس سے قبل مین نے اس سلطنت کی ایک خصوصیت پر زور دیا تھا کہ جو قوت اس سلطنت کو انگلینڈ سے وابستہ کرتی ہے بالکل برائے نام ہے۔ اس لحاظ سے ہم کہہ سکتے ہین کہ ہماری سلطنت ہند نوآبادیات سے مشابہ ہے، البتہ ان دونون مین ایک بہت بڑا فرق یہ ہے کہ ہماری خاص نوآبادیان اکثر معاملات مین اپنی حکمت عملی کا تعین خود کرتی ہین کیونکہ وہان کی حکومت مجلس قانون ساز کی ترقی یافتہ شکل ہوتی ہے اور ہندوستان کو ایسی آزادی رائے حاصل نہین ہے، یہان تک کہ وائسرائے بھی اپنے فیصلون مین سکریٹری آف اسٹیٹ کا تابع ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ یہ بڑی مشابہت ان دونون مین ہے کہ ہندوستان نوآبادیون کی طرح ہمیشہ الگ رکھا گیا، اسکو ہوم گورنمنٹ سے کبھی اسقدر قریب نہین ہونے دیا گیا کہ اسکے ساتھ مل جائے یا اسکی صورت مین تبدیلی پیدا کردے یا اُسکے آزادانہ ارتقا مین مزاحم ہو سکے۔ ہندوستان، نظام حکومت اور اقتصادی اعتبار سے ایک آزاد سلطنت ہے۔ اگر سلطنت مغلیہ اپنی اُسی قوت کیساتھ آج تک باقی رہتی تو انگلینڈ کی تاریخ خارجی معاملات مین آج سے بہت زیادہ مختلف ہوتی فرانسیسون کے ساتھ ہماری لڑائیون کا رخ اور ہی کچھ ہوتا خصوصًا اس جنگ کا جس مین بونا پارٹ کی مصری مہم ایک خاص واقعہ ہے۔ ہمارے خیال مین جنگ کریمیا کبھی نہ ہوئی ہوتی اور نہ ہم جنگ ترکی و روس مین اسقدر دلچسپی لیتے۔ لیکن حکومت انگلینڈ کا کانسٹی ٹیوشن بجنسہ یہی ہوتا اور ہماری خانگی تاریخ کی رو بھی بالکل وہی ہوتی جو آج ہے میرے خیال مین صرف ایک مرتبہ ۱۸۳۳ء مین ہندوستان پارلمنٹ کی بحث مین شریک ہوا، اُسوقت اُسنے ساری سیاسی دنیا کی توجہ جذب کر لی تھی۔ ۱۸۵۷ء کے غدر مین بھی جب کہ ہمارے جذبات حد درجہ مشتعل تھے، ہماری خانگی سیاست کی رو پر ہندوستانی معاملات کا کوئی اثر نہین پڑا۔

اس لئے اگر سلطنت ہند ہم کھو دین تو اسکے فوری اور خاص سیاسی اثرات کچھ زیادہ قوی نہین ہونگے سکریٹری

آف اسٹیٹ کا عہدہ ختم ہوجائیگا، پارلمنٹ کا کام ہلکا ہوجائیگا اور ہماری خارجی پالیسی پر سے ایک بڑا بھاری بوجھ اتر جائیگا انکے علاوہ اور فوری تغیرات کچھ زیادہ نہ ہونگے۔ اسی وجہ سے مین کہتا ہون کہ سلطنت ہند اس معنی مین نوآبادیون سے مشابہ ہے اور اسکے اندر ہم توسیع انگلستان کی وہ خصوصیت پاتے ہین جو میرے ان لکچرون کا موضوع ہے۔ مین پہلے ہی بیان کر چکا ہون کہ یہ توسیع نظر اول مین عضلاتی نمو ([illegible]) کی قسم کی نہین معلوم ہوتی۔ جب بچہ بڑھکر مرد ہوجاتا ہے تو بچہ غائب ہوجاتا ہے۔ اسکے اندر کوئی ایسی ترقی نہین ہوجاتی جو اصلی بچے سے مختلف ہو یا کوئی ایسی چیز نہین ملجاتی جو آسانی علٰحدہ کی جاسکے لیکن انگلینڈ کی توسیع ٹھیک انہین معنون مین ہوئی ہے۔ کیونکہ اصلی انگلینڈ اب بھی برطانیہ کلان کے قلب مین بجنسہ نظر آرہا ہے۔ اُسکے اعضاء ترکیبی بذات خود مکمل ہین۔ ابھی تک اُسنے اپنے ساتھ ہندوستان اور نوآبادیون کا خیال ہی نہین کیا اور نہ اسکی عادت ڈالی۔

ٹرگوٹ (Turgot) نے نوآبادیون کی مثال اُس پھل سے دی تھی جو صرف پکنے تک درخت سے لٹکتا رہے تمام انگریزی اقوام کو بمقابلہ ایک فرد کے ایک خاندان سے تشبیہ دینا یقیناً زیادہ موزون ہوگا۔ اس لئے ہم کہہ سکتے ہین کہ ملکہ الزبتھ کے عہد کے انگلینڈ کا ایک وسیع کنبہ دور دراز سمندر پار ممالک مین پھیلا ہوا ہے، جسکے اندر غالب حصہ خوشحال نوآبادیون کا ہے لیکن اُسکے اندر ایک ایسا کارپوریشن بھی شامل ہے جو تجارت کرتے کرتے خوش قسمتی سے ایک عظیم الشان ملک پر متسلط ہوگیا اس قسم کا خیال کرنے مین کوئی اعتراض نہین ہے بشرطیکہ یہ خیال خیال، کی حد سے متجاوز ہوکر دلیل وحجت نہ بن جائے۔ لیکن ہم جانتے ہین کہ خاندان، کم از کم موجودہ سوسائٹی کے رواج کے مطابق انحطاط پذیر ہوتا ہے۔ جب تک لڑکے چھوٹے ہوتے ہین اس مین اتحاد ہوتا ہے، بعد ازان یہ ایک باہمی عہد وپیمان کی شکل اختیار کرلیتا ہے اور پھر جب لڑکے بڑے ہوجاتے ہین تو یہ عہد وپیمان بھی ڈھیلا پڑجاتا ہے۔ آخرالامر جب لڑکے جوان ہوکر تلاش روزگار مین ادھر اُدھر نکل جاتے ہین اور لڑکیان بیاہ دی جاتی ہین تو پھر خاندان مین عملی طور پر کوئی عہد وپیمان باقی نہین رہتا بلکہ اکثر ہمیشہ کے لئے اسکے ارکان مین کوئی رشتہ باقی نہین رہ جاتا۔ ہم اپنی سلطنت کو ایک خاندان کہہ سکتے ہین لیکن بغیر مزید تحقیقات یہ فرض نہین کرسکتے کہ اسکا بھی یہی حشر ہونیوالا ہے۔ کیونکہ وہ اسباب جو خاندانون کی شکست کے باعث ہوتے ہین ٹھیک حکومتون کے نہین ہوتے۔ یہ امر خاص طور پر قابل لحاظ ہے کہ اب اُن اسباب کا اثر اسقدر نہین ہوتا جس قدر پہلے ہوا کرتا تھا۔ ٹرگوٹ اور انقلاب امریکہ کے زمانہ مین البتہ ایک دور افتادہ محکوم ملک کو اس لڑکے سے تشبیہ دیتے تھے جو مکان چھوڑکر عملی طور سے خاندان سے الگ ہوگیا ہو۔ لیکن زمانہ حال مین ایسا نہین ہے کیونکہ ایجادات نے سارے کرۂ زمین کو سمیٹ کر ایک جگہ کردیا ہے۔ چنانچہ ریاستہائے متحدہ اور روس مین ایک ایسی جدید طرز کی اور اتنی وسیع سلطنت قائم ہوگئی ہے جسکا گذشتہ زمانون مین کسی کو علم بھی نہین تھا۔

چونکہ انگلینڈ کا تعلق نوآبادیون اور ہندوستان سے حیرت انگیز طریقہ پر بہت کم رہا ہے لہذا قدرتاً ہمکو اس تعلق کے نتیجہ پر غور کرنے مین تامل ہوگا۔ لیکن نتیجہ بالکل واضح ہے۔ نوآبادیون کے متعلق مین اوپر بیان کرچکا ہون کہ اگرچہ ابتدا مین

انکا تعلق مادر وطن سے کم تھا، تاہم یہ تعلق رفتہ رفتہ بجائے کمزور ہونے کے زیادہ استوار اور ترقی پذیر ہوتا جاتا ہے۔ نوآبادیان اب ہم سے بہت زیادہ قریب ہو گئی ہین، گذشتہ زمانہ مین جو خرابیان اُنکے اندر تھین دور ہو گئین اور اب تو وہ ہماری فاضل آبادی کیلئے ایک قدرتی نکاس کا کام دیتی ہین۔ برخلاف اسکے اگلے وقتون مین جب آبادی اسقدر فاضل نہین تھی تو نوآبادیون مین بالعموم بد دل بناہگزین آباد ہوتے تھے، جو وطن سے برسر عناد ہوتے تھے۔ یہی اصول ہمارے تعلق ہندوستان مین کارفرما ہے وہ قوت جسپر اس تعلق کی بنا ہے۔ کمزور ہے۔ انگلینڈ نے اس تعلق کیوجہ سے اپنی ترقی روکی نہین۔ اگرچہ یہ سلطنت (ہندوستان) بہت بڑی ہے لیکن انگلینڈ آج بھی ویسا ہی ہے جیسا اسکے حصول سے قبل تھا۔ چنانچہ جیسا کہ مین نے کہا ہے یہ تعلق گو صدیون سے قائم ہے لیکن ہر وقت ٹوٹ سکتا ہے۔ اور اسکی وجہ سے ہمارے خانگی انتظام مین کوئی ابتری نہین ہو سکتی۔ لیکن اگر اس کے کمزور ہونیکی وجہ سے یہ مستنبط ہو کہ جلد یا بدیر اسکو شکست ہونا ہے تو قبل ازین کہ ہم اس استنباط کو تسلیم کرین ہمین ایک اور مسئلہ پر غور کرنا چاہئے۔ یعنی یہ کہ اسکا میلان کس رخ پر ہے۔ آیا یہ بودا تعلق رفتہ رفتہ ڈھیلا ہوتا جاتا ہے یا زمانہ کے ساتھ ساتھ زیادہ مضبوط۔ یہان بھی ہم دیکھتے ہین کہ نوآبادیون کی طرح زمانہ کا میلان جس نے عظیم الشان سیاسی اتحاد کے امکان کو قوی بنا دیا ہے ہندوستان اور انگلینڈ کے باہمی تعلق کو بجائے ضعیف کرنے کے قوی تر کر رہا ہے۔

[illegible] نے اپنی تصنیف "Adam Smith" مین ہندوستان کے متعلق جو نوٹ لکھا ہے اس مین وہ کہتا ہے کہ اجارہ داری کے زمانہ مین یعنی ۱۸۱۱ء مین انگلینڈ اور ہندوستان کی تجارت نہایت معمولی تھی یعنی اسکو اتنی بھی اہمیت نہین حاصل تھی جتنی انگلینڈ اور جرسی یا Isle of Man کی تجارت کو تھی۔ لہذا اگر تجارت دو قومون کو متحد کرنے کے لئے کوئی خاص رشتہ ہو سکتی ہے تو ہم اسکے میلان اور اُسکی قوت کا ایک معیار قائم کر سکتے ہین، خواہ یہ میلان اتحاد کی جانب ہو یا علحدگی کی جانب۔ چنانچہ ہم ہندوستان اور انگلینڈ کی موجودہ تجارت کا موازنہ گذشتہ تجارت سے کرینگے پرانے زمانہ مین خیال تھا کہ ہندؤن کے عادات ناقابل تبدیل ہین اسلئے انمین یورپ کی مصنوعات کی کھپت نہین ہو سکتی لیکن اب ہم ہندوستان کی تجارت کا بجائے جرسی اور Isle of Man کی تجارت سے مقابلہ کرنے کے ریاستہائے متحدہ امریکہ اور فرانس کی تجارت سے کرتے ہین یعنی دو ایسی قومون سے جو دنیا کی بڑی کاروباری قومون مین شمار ہوتی ہین ہم دیکھتے ہین کہ اگرچہ ہمکو ہندوستان سے نسبتہً بہت کم آمدنی ہے تاہم اسکا نمبر تجارت برآمد کے لحاظ سے فرانس اور امریکہ کے بعد ہے اور درآمد مین ماسوائے امریکہ اسکا نمبر فرانس اور تمام دیگر ممالک سے آگے ہے۔ کیونکہ اسی سال (۱۸۸۱ء مین) وہان کی درآمد...... ۲۹ تھی اور اُن ممالک کی جنکا نمبر اسکے بعد تھا جیسے اسٹریلیا اور جرمنی علی الترتیب دو کروڑ ۱۰ لاکھ اور ایک کروڑ ۶ لاکھ۔

موجودہ صدی مین جو عظیم ترقی اس باب مین ہوئی ہے اس سے تم اندازہ کروگے کہ دونون قومین بجائے ایک دوسرے سے علیحدہ ہونے کے رفتہ رفتہ قریب ہو رہی ہین۔ لہذا اگرچہ سیاسی نقطہ نظر سے اس علحدگی کے اثرات فوری اور

براہ راست نہین ہونگے تاہم اقتصادی نقطۂ نگاہ سے بہت ہی اہم ہونگے۔ ہمکو یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ محض سیاسی تعلقات کی وجہ سے دونون ممالک مین تجارتی تعلقات قائم ہین، اگر ہندوستان آزاد ہوجائے تو شاید یہ تعلقات منقطع ہوجائین یا اگر وہ کسی یورپ کی سلطنت مثلاً روس کے ہاتھ مین چلا جائے تو ان کا ٹوٹ جانا بالکل یقینی ہے۔ اس صدی کے شروع مین اگر ہم نے چاہا ہوتا تو نہایت آسانی کیساتھ ہندوستان سے علحدگی کرلی ہوتی کیونکہ وہ ابتدائی لڑائیان جو فرانسیسون سے بمبئی، مدراس اور کلکتہ کی کوٹھیون کے متعلق ہوئین انکے اندر کوئی معقول وجہ نہین تھی اس لئے کہ اس زمانہ مین ان مقامات پر ہماری تجارت بالکل غیر اہم تھی۔ لیکن اب یہ بات نہین ہے۔ ہندوستان مین ہماری تجارتی پابندیان بہت زیادہ ہین یعنی اب ہم ہندوستان سے بہ نسبت پہلے کے زیادہ مضبوطی کے ساتھ بندھے ہین۔ پھر یہ بات غور کرنے کے لائق ہے کہ اس عرصہ مین انگلینڈ اخلاقی نقطۂ نظر سے ہندوستان سے کس قدر قریب ہوگیا ہے۔ شروع شروع مین ہمکو ہندؤن کے معاملات سے کوئی دلچسپی نہین تھی کیونکہ ہم محض تاجر تھے، سلطنت مغلیہ یا اُسکے زوال سے ہمکو کوئی سروکار نہین تھا، ہمکو اس سے کوئی بحث نہین تھی کہ آیا ہندو خراب حکومت مین رہتے تھے یا مسلح لوٹیرون کے شکار بنے ہوئے تھے۔ چنانچہ ہندوستان مین ہماری فتوحات کا آغاز ان خیالات کے ماتحت نہین ہوا بلکہ ایک حد تک فرانسیسون سے مقابلہ کرنے اور اپنی تجارتی کوٹھیون کو ناگہانی حملون سے محفوظ رکھنے کے خیال سے۔ کمپنی کے "قوت اعلیٰ" ہوجانے کے ایک عرصہ بعد تک ہم دیسیون کی بہبودی سے غافل رہے Adam Smith ۱۷۸۰ء یعنی وارن ہسٹنگز کے آخر عہد حکومت کے بیان مین لکھتا ہے "ایسی کوئی حکومت نہین ہوسکتی جو اپنی رعایا کی فلاح سے اسدرجہ غافل ہو" یہ قدرتی نتیجہ تھا اس ناقابل اعتماد حالت کا جسمین محض گردش تقدیر سے ایک تجارتی کمپنی اچانک حکومت سے بدل گئی۔ یہ بے ضابطگی اور اُسکے اثرات کمپنی کی حیات تک قائم رہے لیکن ۱۸۵۸ء سے دور ہوگئے۔ کوئی بات اب ایسی نہین باقی رہی جس سے خودغرضی کا شبہہ تک ہوسکے۔ اب ہماری حکومت سے زیادہ مہربان کوئی دوسری حکومت نہین تھی اور جیسا کہ مین نے بیان کیا ہے اب ہم نے ہندؤن کو اُس اعلیٰ روشن خیالی سے جسکے ہم مالک ہین اس بنا پر محروم رکھنے کا خیال کہ انکو اُسکی ضرورت نہین ہے، ترک کردیا ہے۔

پھر اسی کے ساتھ تار برقی کے اجراء اور سفر کی سہولتون نے۔ اول براہ خشکی بعد ازان براہ نہر سویز۔ ہندوستان کو انگلینڈ سے بہت قریب کردیا ہے۔ لوگون کا اکثر اعتراض ہے کہ اس تبدیلی کا اثر مضر ہے اور ہروقت ڈاؤننگ اسٹریٹ اور اس سے زیادہ انگریزی رائے عامہ کی مداخلت بہت زیادہ مضر ہے۔ بحث کی خاطر فرض کرلو کہ واقعی ایسا ہی ہے لیکن یہان پر سوال یہ نہین ہے کہ ہندوستان کا انگلینڈ سے زیادہ متحد رہنا مناسب ہے یا نامناسب۔ حقیقت حال تو یہ ہے کہ چاہے اچھا ہو یا برا مگر ان دونون ممالک کے تعلقات، بجائے کم ہونے کے زیادہ ہوتے جارہے ہین

تو ایک بار پھر ہم اُس رفتار پر غور کرین جس سے ہمارا تعلق ہندوستان کے ساتھ بڑھ رہا ہے۔ مسٹر کننگھم Mr Cunningham نے اپنی تصنیف "برٹش انڈیا اور اسکے حکمران" مین جو حال ہی مین شائع ہوئی ہے

۱۸۲۰ء اور ۱۸۸۰ء کے درمیان ہندوستان کی غیر ملکی تجارت کا برطانیہ کلان کی غیر ملکی تجارت سے مقابلہ کیا ہے یہ ترقی اکثر عظیم حیرت و استعجاب کا موجب ہوی ہے۔ انگلینڈ کی غیر ملکی تجارت ۸۰ ملین سے ۶۵۰ ملین پونڈ ہوگئی۔ مسٹر کننگہم کہتا ہے کہ اسی زمانہ مین ہندوستانی تجارت اس سے کہین زیادہ ترقی کرگئی تھی اور چونکہ ہندوستان کی بیرونی تجارت خاصکر انگلینڈ کیساتھ ہے اسلئے نتیجہ یہ نکلا کہ ان دو ممالک مین تجارتی اتحاد کا میلان نہایت ہی قوی ہے اور اگر اب سے پچاس سال تک کوئی غیر متوقع حادثہ نہین رونما ہوا تو یہ اتحاد حد درجہ استوار ہو جائیگا

اگر ان تمام واقعات کو جو مین نے بیان کئے ہین یکجا جمع کرکے سلطنت ہند کا تصور کیا جاے تو عجیب نتیجہ نکلتا ہے اسکی مثال سلطنت رومہ کی ہے جس مین ہماری حیثیت حکمران کی نہین ہے بلکہ معلم تہذیب و علوم کی بھی ہے جس طرح ناسٹ اور رہلن کا اتحاد ایک عہد کا دوسرے عہد کیساتھ اتحاد تھا ٹھیک اسی عہد حاضر کا یورپ ایشیا کے قرن وسطی سے متحد ہو گیا ہے۔ سلطنت ہند ہمیشہ ہم سے الگ تھلگ رکھی جاتی ہے، اس سے ہمین کوی خراج نہین ملتا، اس کا کوی بار ہمارے اوپر نہین پڑتا بجز اسکے کہ ہماری خارجی حکمت عملی البتہ متاثر ہوتی ہے۔ اسکی وجہ سے ہماری خانگی سیاست مین نہ تو کوی تبدیلی واقع ہوتی ہے اور نہ کوئی قابل محسوس اثر پڑتا ہے۔ اس سلطنت پر ہمارا پنجہ آہنی مرور ایام کیساتھ بجائے سست ہونے کے زیادہ سخت ہوتا جاتا ہے ہندوستان اور انگلینڈ کا اتحاد اگرچہ غیر فطری اور نامبارک کیون نہ معلوم ہو لیکن عہد حاضر کے سیاسی اتحاد کے منافی نہین ہے جو نہایت تیز رفتاری کیساتھ قریب سے قریب تر ہوتا جا رہا ہے۔ یہ سب واقعات تاریخ انگلینڈ مین سب سے زیادہ عجیب حیرتناک اور غالباً تمام ابواب سے زیادہ سبق آموز ہین۔ بعض لوگون کو اس پر فخر ہے کہ یہ کوئی طلسمی مہم تھی ممکن ہے جو محض عارضی ہو۔ لیکن جو لوگ تہ تک غور کرینگے خوگر ہین وہ اس مہم کو کمال مایوسی کیساتھ دیکھتے ہین لیکن جون جون زمانہ گذرتا جاتا ہے ہم محسوس کرتے ہین کہ ہم ایسی زبردست قدرت کے ہاتھ مین ہین جو تمام تدبر و سیاست پر بالاتر ہے۔ وہ اینٹین جو کبھی بلا ارادہ ڈھیر ہو گئی تھین قصر تہذیب کا ایک حصہ بننے والی ہین اور ہندوستان جو انگلینڈ کی تمام کامیابیون مین سب سے زیادہ عجیب تھا پایان کار سب سے بڑی کامیابی ثابت ہوگا۔

اس مقام پر پھر ہماری نظر حال سے ہٹ کر ماضی کی طرف جاتی ہے اور ہمارے دلمین سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر کن اسباب کی بنا پر ہم نے اس مہم مین ہاتھ ڈالا۔ مین نے کامل ایک لکچر اس موضوع کی نذر کیا ہے کہ وہ کونسی طاقت تھی جسکی مدد سے ہم نے ہندوستان کے باشندون کو اپنی حکومت کا مطیع کیا۔ لیکن موجودہ سوال اس سے مختلف ہے۔ وہ سوال تھا "کس طرح!" اور یہ سوال ہے "کیون؟" ہم دیکھتے ہین کہ یہ سلطنت بغیر کسی غیر معمولی طاقت و قابلیت کے قائم ہو گئی۔ لیکن سوال ہے آخر اسکے قیام کا محرک کیا تھا۔ اسکی تعمیر مین کتنی معزز، بہادر اور جفاکش ہستیان قربان کرنا پڑین؟ انھون نے اپنی جانین کیون قربان کین؟ اگر انھون نے خود بخود ایسا نہین کیا بلکہ کسی حکم کی تعمیل مین تو وہ کون سی طاقت تھی جس نے انکو یہ حکم دیا۔ اگر یہ طاقت کمپنی تھی تو اسکو ہندوستان فتح کرکے کیا نفع ملتا۔ اور اگر یہ طاقت، حکومت انگلینڈ، تھی تو اسکی غرض

کیا تھی اور وہ کیونکر پارلیمنٹ کے روبرو اپنے اس فعل کو جائز ثابت کر سکتی تھی۔ یہ ممکن ہے کہ کسی زمانہ میں ہم جنگ جو قوم رہے ہوں لیکن وہ خاص جنگیں جو ہم نے لڑیں زیادہ تر مدافعانہ تھیں۔ فتح، عریان نے کبھی اپنی طرف ہماری توجہ نہیں کھینچی۔ تو آخر ہمارے دل میں کیا تھا!

سلطنت انگلینڈ کو یقیناً اس تسخیر سے کوئی فائدہ نہیں حاصل ہوا۔ کیونکہ اگر ایک طرف اسکے میزانیہ پر اس فتح کے اخراجات کا بار نہیں پڑا تو دوسری طرف کسی قسم کے خراج کی وجہ سے اسکا میزانیہ ہلکا بھی نہیں ہوا۔ اگر ہم سوال کریں کہ اس سے کسکو فائدہ ہوا تو اسکا صحیح جواب یہی ہوگا "انگریزی تجارت کو" اس ملک سے ہماری بیرونی تجارت بہت بڑے پیمانہ پر ہے اور جب تک ہم ہندوستان کے مالک ہیں یہ تجارت قائم رہیگی۔ اس معنی میں ہمکو ایک عظیم مادی فائدہ حاصل ہے جو اس زمانہ میں جب غیر ملکی حکومت مستحکم حفاظت کی محتاج ہے بسا غنیمت ہے۔ تو کیا یہ فرض کیا جا سکتا ہے کہ ابتدا سے آخر تک تجارت ہی ہمارا مطمح نظر تھا۔

یہ قول بظاہر معقول معلوم ہوتا ہے اور اسوقت تو اور بھی معقول معلوم ہوتا ہے جب ہم کہتے ہیں کہ ہماری سلطنت کی ابتدا تجارت سے ہوئی۔ پہلے پہل ہم نے صرف اپنی تجارتی کوٹھیوں کی حفاظت میں ہتھیار اٹھایا۔ جو صورت ہماری اور فرانس کی نوآبادیاتی جنگ کی تھی وہی صورت ہندوستانی لڑائیوں کی بھی تھی کیونکہ یہ بھی اسی زمانہ میں ہوئیں اور انکی نوعیت بھی وہی تھی۔ ان لڑائیوں کے اسباب وہی تھے جن پر میں نے بہت اصرار کیا ہے یعنی پندرھویں صدی میں جو جدید ممالک دریافت ہوئے اُنکی دولت کی خاطر مغربی سلطنتوں کی باہمی رقابت۔ امریکہ کی طرح ہندوستان میں بھی ہماری تجارتی کوٹھیاں تھیں۔ دونوں ممالک میں ہمیں ایک ہی حریف یعنی فرانس سے مقابلہ پڑا۔ دونوں ممالک میں انگریز اور فرانسیسی سوداگر اپنے تجارتی مرکز سے ایک دوسرے کی مخالفت کر رہے تھے۔ امریکہ میں ہمارے پاس نیو انگلینڈ اور ورجینیا تھے تو اُنکے پاس اکاڈی (Acadia) اور کناڈا۔ ٹھیک اسی طرح ہندوستان میں مدراس، کلکتہ اور بمبئی ہمارے پاس تھے تو اُنکے مقابلہ میں پانڈیچری، چندر نگر اور ماہی فرانسیسوں کے پاس۔

سنہ ۱۷۴۰ء اور سنہ ۱۷۶۰ء کے مابین دونوں ملکوں میں ایک ہی ساتھ خطرہ رونما ہوا۔ اُسوقت دونوں سلطنتوں کے درمیان جو ناقص اور سطحی معاہدہ تھا وہ ٹوٹ گیا تھا اور ایک سلطنت دوسری سلطنت پر غلبہ حاصل کرنیکے لئے جدوجہد کر رہی تھی۔ لیکن دونوں جگہ انگریزوں کو فتح نصیب ہوی۔ ہندوستان میں فرانسیسوں پر غلبہ پاتے ہی ہم نے ہندؤں پر غلبہ حاصل کرنا شروع کیا۔ یہ واقعہ دوسرے واقعہ سے ملکر اس اصول کی طرف ہماری رہبری کرتا ہے کہ ہماری سلطنت کی ترقی میں شروع سے آخر تک جذبہ تجارت کارفرما رہا ہے۔ جب ہمکو ساحلی مقامات میں استحکام حاصل ہوگیا اور دیسی طاقتوں اور فرانسیسوں کی رقابت کی طرف سے اطمینان خاطر نصیب ہوگیا تو ہم نے اندرون ملک میں اپنی تجارت کو وسعت دینے کا منصوبہ باندھا۔ ہمکو ریاست میسور اور مرہٹوں سے مقابلہ پڑا جو پہلے تو ہمارے ساتھ تجارت کرنے پر رضامند نہ تھے لیکن

تجارت کی حرص مین ہمنے قوت کا استعمال کیا ان پرانی فوجون سے یلغار کردی، اُنکے کرگ قانون کو تباہ وبرباد کرکے اُنکے علاقون مین اپنا مال تجارت لیکر سیلاب کی طرح پھیل گئے۔ اس طرح رفتہ رفتہ ہماری تجارت کو ترقی ہوتی گئی۔ پہلے تو یہ بالکل بے حقیقت بات تھی لیکن بعد مین اسکو بہت وسعت حاصل ہو گئی۔ انجام کار جب ہم نے تمام بڑی دیسی حکومتون کا تختہ اُلٹ دیا۔ جب نہ کوئی مغل شہنشاہ رہگیا نہ سلطان میسور، نہ مرہٹون کا پیشوا باقی رہا نہ اودھ کے نواب اور نہ سکھون کا مہاراجہ یا خالصہ، اسوقت تمام رکاوٹین رفع ہو گئین اور ہماری تجارت ناقابل قیاس پیمانہ پر پہونچ گئی

لیکن اگر بنظر تعمق غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ واقعات اس اصول پر صادق نہین آتے۔ یہ سچ ہے کہ ہماری سلطنت کی ابتدا تجارت سے ہوئی اور یہ بھی صحیح ہے کہ تھوڑے دنون سے اسکو بیحد فروغ ہے، لیکن تاریخ مین ضروری نہین ہے کہ واقعات کا سلسلہ ہمیشہ خط مستقیم کی طرح سیدھا چلا جائے حقیقت یہ ہے کہ اگر تجارت کی لہر ناقابل رفع ہوتی اور تمام مشکلات پر غالب آنے کیلئے ہر طرح تیار رہوتی تو اسکو ہندوستان مین جنگ کی نوبت نہین آتی۔ کیونکہ وہان پر حقیقی رکاوٹین مفقود تھین۔ انگریزی تجارت کو دیسی بادشاہون کی رقابت کا خطرہ نہین تھا بلکہ خود ایسٹ انڈیا کمپنی کی رقابت کا اندیشہ تھا۔ لہذا تجارت کی ترقی کے ساتھ ساتھ ملکی فتوحات کی ترقی کو کوئی علاقہ نہین۔

برخلاف اسکے ہماری تجارت باوصف تمام فتوحات کے سنہ ۱۸۱۳ء تک بالکل بے حقیقت تھی سنہ ۱۸۳۳ء کے فوراً بعد ہی اس مین سرعت کیساتھ ترقی شروع ہوئی۔ یہ دونون تاریخین تجارت کی ترقی کے حقیقی اسباب کی طرف اشارہ کرتی ہین اور اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ تجارت کی ترقی فتوحات کی ترقی سے قطعی بے نیاز ہے۔ کیونکہ یہی وہ زمانہ ہے جب پالمنٹ کا وہ قانون نافذ ہوا جسکی بدولت کمپنی اپنی اجارہ داری سے محروم ہو گئی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اگرچہ ہندوستان کو ایسٹ انڈیا کمپنی نے فتح کیا تھا لیکن اُسکے ساتھ اعلی پیمانہ پر تجارت اُس وقت وجود مین آئی جب ایسٹ انڈیا کمپنی کا وجود معدوم ہو گیا۔ ہندوستان مین ہماری فتح ایک اجارہ دار کمپنی کی مرہون احسان ہے لیکن وہان کی تجارت کو اسوقت فروغ حاصل ہوا جب خود کمپنی نیست ونابود ہو گئی

اس امر کو زیادہ واضح کرنے کے لئے آسان ہوگا اگر ہم ایسٹ انڈیا کمپنی کی تاریخ کے ایسے عنوانات بیان کردین جن سے اسکی ترقی کے خاص مدارج ظاہر ہو جائین۔ ایسٹ انڈیا کمپنی سنہ ۱۶۰۰ء مین یعنی ملکہ الزبتھ کے آخر عہد مین وجود مین آئی۔ جس نقطہ نظر سے ہم توسیع انگلستان کے مسئلہ پر غور کر رہے ہین اس لحاظ سے عین وقت پر اس کمپنی کا وجود ہوا نہ قبل نہ بعد۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہین کہ انگلینڈ نے اپنی موجودہ بحری روش قریب قریب اسپینش آرمڈا کے وقت اختیار کی۔ اُسی وقت پہلے پہل اسکے بحری سورماؤن کی قوم نمودار ہوئی اور اُسی وقت اسنے امریکہ مین نوآبادی قائم کرنے کا خیال ظاہر کیا۔ اگر یہ صحیح ہے تو ہمکو ہندوستان مین اپنے ابتدائی قیام کے لئے اُسی زمانہ کی طرف نظر کرنا چاہئے۔ واقعی ٹھیک اُسی وقت ہندوستان مین ہمارے قیام کی ابتدا ہوئی کیونکہ اسپین کے بحری بیڑہ (Armada) کی شکست کے ۱۲ سال بعد

ایسٹ انڈیا کمپنی قائم ہوئی

یہ کمپنی محض تجارت کی غرض سے قائم ہوئی اور ایک سو اڑتالیس (۱۴۸) سال تک صرف تجارت پر اسکی توجہ مرکوز رہی۔ اس زمانہ مین اسکی تاریخ مین کئی اہم واقعات ہوئے لیکن ان مین کوئی اتنا اہم نہین جو ہماری توجہ کا مستحق ہو۔ ۱۷۴۸ء مین دکن مین بڑے پیمانہ پر فسادات رونما ہوئے جنھون نے کمپنی کو مجبور کیا کہ وہ بھی اعلی پیمانہ پر حکومت اور جنگ کی خدمت مین انجام دے۔ اسکے بعد کمپنی کا دوسرا قابل یادگار دور شروع ہوا جو مدت مین دور اول کے برابر تھا۔ یہ دور ۱۱۰ سال کی مدت پر حاوی ہے اور ۱۸۵۸ء مین کمپنی کی تنسیخ پر ختم ہوا۔ یہی وہ دوسرا دور ہے جس سے ہمکو اسوقت بحث ہے ارتقاء کے مختلف مدارج سمجھنے کے لئے ہم اس دور کو کئی حصون مین تقسیم کرینگے

یہ عجیب اتفاق ہے کہ اس دور کے بیشتر واقعات مین ایسا تسلسل ہے جو تاریخ مین بہت کم پایا جاتا ہے اور اس سے یادداشت مین بڑی مدد ملتی ہے۔ کمپنی اپنے عہدنامہ کی تجدید کے لئے پارلمنٹ کی محتاج تھی۔ چونکہ ۱۷۴۸ء سے کمپنی کے حالات نے عجیب روش اختیار کرلی تھی اسلئے پارلمنٹ کے لئے بالکل قدرتی تھا کہ وہ عہدنامہ کی تجدید ایک مدت معینہ کے لئے کرے اور پھر اسکے اختتام پر کمپنی کے حالات پر غور کرکے اسکے انتظام مین ضروری تبدیلیان پیدا کردے اس طرح کمپنی مین تھوڑے تھوڑے متساوی المدت وقفہ کے بعد تبدیلیان ہونے لگین۔ ہر وقفہ کی مدت ۲۰ سال ہوتی تھی۔ اسکا آغاز ۱۷۷۳ء مین لارڈ نارتھ کلف کے ریگولیٹنگ ایکٹ سے ہوا۔ اسکے بعد چار تاریخین ایسی ہین جو کمپنی کی تاریخ مین بنیادی اہمیت رکھتی ہین یعنی ۱۷۹۳ء، ۱۸۱۳ء، ۱۸۳۳ء، ۱۸۵۳ء

یہ تاریخین ہماری توقع کے مطابق اہم ہین اور کمپنی کی تاریخ کے لئے ان سے زیادہ سہل ڈھانچہ ہونا مشکل ہے۔ پہلی تاریخ سب سے زیادہ اہم ہے۔ اگر ۱۷۴۸ء مین اس تحریک کی بنا پڑی جو آگے چلکر برٹش انڈیا کے وجود کا باعث ہوئی تو ۱۷۷۳ء اس زمانہ کی یاد تازہ کرتا ہے جب خود برٹش انڈیا عالم ہستی مین آگئی۔ اسی سال سے گورنر جنرل کا سلسلہ شروع ہوا۔ اگرچہ ایک عرصہ تک یہ عہدیدار بجائے گورنر جنرل ہندوستان کے گورنر جنرل بنگال کہلاتا تھا۔ اسی زمانہ مین کلکتہ مین عدالت العالیہ قائم ہوئی۔ اسی وقت ہمارے ہندوستانی معاملات کو بے انتہا خطرون کا سامنا پڑا اور کمپنی مین جو بدعنوانیان تھین انکا سدباب بھی اسی وقت ہوا کیونکہ کمپنی کے حصہ داران یا مالکان کو اسکے معاملات مین اب کوئی اختیار باقی نہین رہ گیا تھا۔

دوسرے دور کی تاریخ ۱۷۹۳ء ہے۔ یہ تجدید کم اہم ہے البتہ اس وقت جو بحثین ہوئین وہ ضرور دلچسپ تھین کیونکہ انمین اینگلو انڈین طبقہ کی ابتدائی زندگی کا وہ نقشہ نظر آتا ہے جب اس مین ہندویت سرایت کرگئی تھی، جب ہندوستان کو جنت کی طرح پاک رکھنے کی کوشش کیجاتی تھی اور کسی یورپین خصوصاً مشنری والون کو اسکے اندر گھسنے کی اجازت نہین دیجاتی تھی۔ لیکن ۱۷۹۳ء کی تاریخ بنفسہ اتنی ہی اہم ہے جتنی اور تاریخین کیونکہ

اس سنہ میں کمپنی کے عہدنامہ کی تجدید ہی نہیں ہوی بلکہ اسی سال بنگال کا مشہور بندوبست دوامی بھی ہوا جو دنیا کی تاریخ میں نہایت قابل یادگار واقعہ ہے

دوسری تاریخ تجدید ۱۸۱۳ء ہے جب اسی سال کا بڈھا ناتوان وارن ہٹنگز ہندوستان سے پنشن لیکر دارالعلوم میں شہادت کے لئے طلب ہوا۔ یہ تاریخ اس زمانہ کو بتلاتی ہے جب کمپنی کی اجارہ داری میں انحطاط شروع ہوا اور برہمنیت کا دور آخر ہوا۔ جب انگلینڈ نے اپنی تہذیب یا بالفاظ دیگر عیسائیت اور مغربی علوم کی تبلیغ ہندوستان میں شروع کی

۱۸۳۳ء میں اجارہ داری ختم ہوگئی۔ اسوقت عملاً کمپنی کا وجود باقی نہیں رہا۔ اسکے بعد کمپنی کی حیثیت محض ایک کارآمد ادارہ سے زیادہ نہیں رہی، کارآمد اس لئے کہ اسی کی روایات اور تجربات پر ہندوستان پر انگلینڈ حکومت کرتا تھا۔ اس وقت سے ہماری ہندوستانی گورنمنٹ باضابطہ طریقہ پر وضع قوانین کی زحمت برداشت کرنے لگی

پھر ۱۸۵۳ء میں مقابلہ کے ذریعہ تقرری کا قاعدہ نافذ ہوا۔ اس طرح وہ پرانا مسئلہ جس نے ۱۷۸۳ء میں انگلینڈ کی بنیاد متزلزل کردی تھی اور جسکو بڑے سے بڑا مدبر بھی چھوتے ہوئے سہمتا تھا حل ہوگیا۔ وہ مسئلہ یہ تھا کہ ہندوستان کی سیادت کسکو ملنی چاہئے اور کیونکر بغیر انگلینڈ کے دستور اساسی پر دباؤ ڈالے ہوئے اس مسئلہ کی گتھی سلجھائی جاسکتی ہے۔

لیکن اس جگہ پھر ہم دیکھتے ہیں کہ تاریخ کی یہ رفتار یکساں عرصہ تک قائم نہیں رہتی۔ ۱۸۵۷ء کے غدر نے اس دور تجدید پر آخری مہر لگادی۔ اور ۱۸۷۳ء جو ریگولیٹنگ ایکٹ کی صدسالہ سالگرہ ہے ہندوستان کی تاریخ میں کوئی اہم تاریخ نہیں ہے۔

اس خاکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۸۱۳ء وہ سنہ ہے جسمیں اجارہ داری میں بہت کمی واقع ہوی اور ۱۸۳۳ء وہ سال ہے جسمیں قطعی طور سے اسکو تباہ کردیا گیا۔ چنانچہ [illegible] جو ہندوستان کے ساتھ ہماری تجارت کو اسقدر بے حقیقت لکھتا ہے اپنے سامنے صرف ۱۸۱۱ء تک کے اعداد و شمار رکھتا ہے۔ وہ اعداد و شمار جن سے موجودہ تجارت کی ترقی کا اندازہ لگتا ہے ۱۸۱۳ء کے زمانہ مابعد سے متعلق ہیں، خصوصاً ۱۸۳۳ء کے مابعد زمانہ سے۔ دوسرے لفظوں میں جب تک ہندوستان اُن لوگوں کے قبضہ میں رہا جنکا مطمح نظر تجارت تھا، اسکی تجارت بالکل حقیر تھی جب سے ہندوستان پر ہندوستان کی خاطر حکومت ہونے لگی اور تجارتی اغراض سے بے اعتنائی برتی جانے لگی تو پھر اسکی تجارت کو فروغ ہوا، اور بے حساب فروغ۔ بظاہر یہ حقیقت غلط معلوم ہوتی ہے۔ لیکن کیا ہمیں یاد نہیں ہے کہ تجارت سے بے اعتنا ہو کر ہمنے اجارہ داری تباہ کردی۔ لیکن اگر ایک تجارتی کمپنی باوجودیکہ اسکی غرض وغایت تجارت ہی ہوا اپنے مدعا میں ناکام رہے اور اجارہ داری کی قیود کے دور ہوتے ہی اُسکی تجارت اعلی پیمانہ پر پہونچ جائے تو اسمیں کوئی

تعجب کی بات نہین۔

کیا ہم نہین دیکھتے کہ ہمارا تجارتی فروغ قطعی اس زمانہ سے متعلق نہین ہے جب ہندوستان مین ہمارے قبضہ کی ابتدا ہوئی۔

ہندوستان مین چار بڑے حکمران گذرے ہین جنکو جرمنی کی اصطلاح مین "سلطنت کا ترقی دینے والا" کہا جاسکتا ہے۔ اور وہ یہ ہین۔ لارڈ کلایو۔ بانی سلطنت، لارڈ ویلزلی۔ لارڈ ہسٹنگز۔ اور لارڈ ڈلہوزی پہلے نے ہمکو کلکتہ سے لیکر مدراس تک مشرقی ساحل پر متصرف کردیا، دوسرے اور تیسرے نے مرہٹون کی قوت توڑ کر ہمکو وسط ہند اور جزیرہ نما کے مغربی حصہ پر تسلط کردیا اور چوتھے نے ان فتوحات کو مستحکم کرنے کے علاوہ ہمارے قبضہ مین شمالی مغربی حصہ دیکر ہماری سرحد کو انڈس تک پہونچادیا۔ ان فتوحات کے درمیان طویل وقفہ ہوا۔ چنانچہ یہ فتوحات کئی الگ الگ مجموعون مین پڑتی ہین۔ ایک زمانہ فتوحات کا ۱۷۴۸ء اور ۱۷۶۵ء کے درمیان تھا۔ اسکو ہم لارڈ کلایو کے نام سے موسوم کرسکتے ہین۔ دوسرا دور ۱۷۹۸ء سے شروع ہوا اور تقریباً ۱۸۰۲ء تک رہا، اگرچہ اس زمانہ کا بیشتر حصہ خالی گذرا۔ اس دور کو ویلزلی اور ہسٹنگز کے نام سے معنون کرسکتے ہین۔ تیسرا دور جنگ کا تھا اور یہ ۱۸۳۹ء اور ۱۸۵۰ء کے درمیان رہا۔ لیکن اس کا ابتدائی حصہ ناموافق گذرا البتہ دوسرے حصہ مین فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا۔ لیکن ان فتوحات کا ثمرہ لارڈ ڈلہوزی کی قسمت مین لکھا تھا

اب ان مملکتی اور تجارتی ترقیون مین قطعی مطابقت زمانہ نہین پائی جاتی۔ چنانچہ ابھی ہم نے لکھا ہے کہ ۱۸۱۱ء تک ہندوستان کی تجارت کس قدر غیر اہم تھی حالانکہ یہ زمانہ ٹھیک ویلزلی کے الحاق عظیم کے بعد کا ہے برخلاف اسکے ۱۸۳۳ء مین تجارت کو نہ معلوم کہان کے پر لگ گئے حالانکہ تاریخ مین یہ زمانہ نہایت پر امن شمار کیا جاتا ہے۔ غدر کے قریب الحاق کا سلسلہ ختم ہوگیا۔ اسکے بعد سے چوتھائی صدی کا زمانہ گذرا اس درمیان مین کوئی فتوحات نہین ہوئین لیکن یہ زمانہ تجارت کی انتہائی تیز رفتاری کا زمانہ تھا۔

چنانچہ جس طرح یہ دعوی باطل ثابت ہوتا ہے کہ یہ سلطنت فوجی پیش قدمی کے ناعاقبت اندیشانہ جوش کا نتیجہ ہے اسی طرح یہ خیال بھی باطل ہے کہ یہ تجارت کے مجنونانہ انہماک کی منت پذیر ہے۔

قیام سلطنت کی جانب ہمارا پہلا قدم اپنی کوٹھیون کی حفاظت مین اُٹھا۔ احاطہ مدراس ہماری اسی کوشش کا نتیجہ ہے جو ہمنے قلعہ سینٹ جارج اور سینٹ ڈیوڈ کی مدافعت مین کی تھی۔ اسی طرح احاطہ بنگال فورٹ ولیم کی محافظت کے سلسلہ مین ہاتھ آیا جب ہمنے بنگال کے سلطان نواب سراج الدولہ کو کال کوٹھری کے مظالم کی سزا دی تھی۔

یہان تک اسباب واضح ہین۔ اسکے بعد جو زمانہ آیا یعنی برطانوی ہند کا وہ انقلابی دور جسمین رشوت ستانی اور بے ایمانی کی گرم بازاری تھی اسلئے طور سے سخت گیری کا دور تھا۔ وارن ہسٹنگز کے خلاف جو اس قدر تشدد کارروائیہ

بنارس، اودھ اور روہیلکھنڈ مین ہوئین وہ سب رشوت ستانی کے سلسلہ مین تھین - اگر برطانوی ہند کی مابعد کی تاریخ بھی اسی قسم کی ہوتی تو ہم بلاخوف کہہ سکتے تھے کہ یہ سلطنت بھی سپے نیولا اور پیرو کی ہسپانوی سلطنت کی طرح جلب منفعت کے مجنونانہ جوش کی بدولت قائم ہوی ہے

لیکن لارڈ کارنوالس کے عہد سے (سنہ ۱۷۸۵ء) اس روش مین تبدیلی پیدا ہوگئی - کچھ تو اپنے اعلی کیریکٹر کے نمونہ اور کچھ دانشمندانہ اصلاح سے اُسنے ملازمت کو بے ایمانی سے کلیتہً پاک کر دیا - اُسنے کمپنی کے ملازمین کی تنخواہین اتنی معقول کر دین کہ انھین رشوت ستانی کا کوی حیلہ باقی نہین رہا - اس وقت سے ملازمت معزز شمار ہونے لگی. اس تبدیلی سے قدرتی طور پر ہمکو توقع ہونی چاہئے تھی کہ اگر طمع زر ہی فتوحات کی محرک تھی، تو کمپنی کی زیادتیان موقوف ہوجائینگی - کیونکہ اس وقت سے نہ صرف کمپنی کے ایجنٹ اپنے کیریکٹر کو کھونے لگے بلکہ اُنکے لئے صریح دغابازی اور بے ایمانی کیساتھ فتوحات حاصل کرنا قطعی ناممکن ہو گیا - اس لئے کہ سنہ ۱۷۸۴ء سے جب Pitt نے حکمت دو عملی جاری کی ایسا کرنا اُسی وقت ممکن تھا جب انگریزی وزارت کو بھی کمپنی اپنا شریک بنالیتی حالانکہ انگریزی وزارت سے بلند حوصلگی کا جرم، سرزد ہونا تو ممکن تھا لیکن اس کی ذات سے یہ امید رکھنا کہ وہ ایک تجارتی کمپنی کے کمینہ جرائم سے اغماض کریگی قطعی ناممکن تھا

حقیقت یہ ہے کہ Pitt کے انڈیا بل کے زمانہ سے ہندوستانی معاملات کا اعلی انتظام کمپنی کے ہاتھ سے نکل گیا اُسوقت سے وہ مہم جو تجارتی اغراض کے ماتحت شروع ہوی تھی ایسے لوگون کے انتظام مین آگئی جنکو تجارت سے کوئی سروکار نہین تھا - اسوقت سے ہندوستان کے خاص خاص مسائل کا انصرام دو انگریز مدبرون کے ہاتھ مین آگیا ایک صدر بورڈ آف کنٹرول اور دوسرے گورنر جنرل - اور جب تک کمپنی کا قیام رہا ان دونون مین ممتاز حیثیت گورنر جنرل ہی کی تھی - اس انتظام کے ماتحت ہندوستان کی بیشتر فتوحات حاصل ہوئین اور یہ یقینی ہے کہ اس زمانہ مین ہمارے ہندوستانی معاملات مین تجارت کی روح کارفرما نہین تھی

سنہ ۱۷۹۸ء سے جب لارڈ کارنوالس گورنر جنرل ہوا ہندوستان کی حکمت عملی کا ایک نیا دور شروع ہوا - اس نے پہلے پہل مداخلت اور الحاق، کا اصول مرتب کیا - اس اصول سے لارڈ ہسٹنگز نے گورنر جنرل ہونے سے قبل تو اختلاف کیا تھا لیکن بعد کو اسی پر عمل کیا - سب سے آخر مین اس اصول پر لارڈ ڈلہوزی نے نہایت سختی سے عمل کیا - لارڈ ڈلہوزی کمپنی کا سب سے آخری گورنر جنرل تھا

یہ تھا وہ اصول جسکے ماتحت ہندوستان فتح ہوا - اس لکچر مین اتنی گنجائش نہین ہے کہ مین اس اصول کا تجزیہ کرون - مین صرف اسقدر کہہ سکتا ہون کہ یہ تجارت کی ترقی کا حامی نہین تھا اور یہی وجہ ہے کہ کمپنی نے ہمیشہ اس کی حمایت سے اختلاف کیا - کمپنی نے ویلزلی کی مخالفت اور ہسٹنگز کو ملامت کی - اگر ڈائرکٹران کمپنی لارڈ ہسٹنگز کے

ساتھ بہت ملائمت سے پیش آتے تھے تو ہم یہ کہے بغیر نہین رہ سکتے کہ اس زمانہ مین انکی حیثیت عملاً ایک تجارتی کمپنی کے نمائندہ کی نہین رہ گئی تھی۔ بعض اوقات اس اصول پر نہایت سختی سے عمل کیا گیا خاصکر لارڈ ڈلہوزی کے زمانہ مین۔ لارڈ ڈلہوزی فریڈرک اعظم کے نمونہ کا بادشاہ معلوم ہوتا ہے اُسکے افعال کو حق بجانب کہنا اتنا ہی مشکل ہے جتنا تسخیر سلیشیا یا تقسیم پولینڈ کو۔ لیکن اگر یہ افعال جرم ہین تو اُسی قسم کے جیسے کہ فریڈرک اعظم کے۔ یعنی یہ جرم عالی حوصلگی کے تھے اُمین خودغرضی کا مطلق شائبہ نہین تھا۔ نہ تو لارڈ ڈلہوزی اور نہ وارن ہسٹنگز کے بعد کوئی دوسرا گورنر جنرل کمینہ سخت گیری کا مجرم قرار دیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ ہماری سلطنت جسکی ابتدا اور اصل تجارت سے ہوئی نہ تو تاجرون کے دماغ کی پیداوار ہے اور نہ تجارتی اغراض کے ماتحت وجود مین آئی اگرچہ اس وقت ہماری تجارت بڑے پیمانہ پر پہونچ گئی ہے۔

عبد القیوم رسا

ضرورت ہے

ایک سند یافتہ آیورویدک ڈاکٹر اور ایک حکیم کی ناگپور کے آیورویدک و یونانی شفاخانہ کیلئے کسی سرکاری مستند کالج کے سند یافتہ اور تجربہ کار کو ترجیح دیجائے گی ماہانہ مشاہرہ ۵۰ سے شروع ہوکر دو روپیہ سالانہ کی ترقی سے ۷۰ تک ہوگا پرائیویٹ پریکٹس کی بھی اجازت ہوگی لیکن اُن شرائط کے ساتھ جو ملازم گورنمنٹ سب اسسٹنٹ سرجن پر عاید ہوتی ہین۔ درخواست کے ساتھ نقول اسناد بھی ہونا چاہئے اور اس امر کی صراحت کہ کن تعلیم گاہون مین اور کس کس فن (سبجکٹ) مین تعلیم حاصل کی ہے۔ عمر کا بھی اظہار ہونا چاہئے اور چالچلن کے خوبی کی تصدیق بھی۔ درخواستین حسب ذیل پتہ سے ۲۸ مارچ ۱۹۳۰ء تک آجانا چاہئے:۔

اس۔ پی۔ چوبے
سکریٹری
میونسپل کمیٹی ناگپور

باب الاستفسار

غالب و بیدل

(جناب سید زوار حسین صاحب۔ گیا)
اس سے قبل آپ کی بعض تحریرون سے معلوم ہوا ہے کہ آپ غالب کو بیدل کا متبع سمجھتے ہین حالانکہ دونون کے رنگ کلام مین بہت فرق ہے۔ کیا آپ اس مسئلہ پر مزید روشنی ڈالنا پسند فرمائین گے،

(نگار) جہانتک میرا حافظہ یاوری کرتا ہے، مجھے یاد نہین آتا کہ مینے غالب کو بیدل کا مقلد یا متبع لکھا ہو، لیکن یہ ضرور مین نے کسی جگہ ظاہر کیا ہے کہ اول اول غالب نے ریختہ مین بیدل ہی کے تتبع کی کوشش کی لیکن جب اسمین کامیابی نہ ہوئی تو مومن کا رنگ اختیار کرکے بعض خصوصیات کے لحاظ سے ایک مستقل رنگ کا مالک ہو گیا۔

غالب کو بیدل کا متبع یا مقلد اُس وقت کہتا جب وہ اس رنگ مین کامیاب ہو جاتا۔ ناکامی کی حالت مین کیونکر ایسا دعوی کیا جا سکتا ہے۔ لیکن ہان، یہ ضرور کہونگا کہ اس نے اس کی کوشش ضرور کی اور آخر کار منزل کی دشواریون کو دیکھ کر اپنا جادۂ مقصود ہی بدل دیا۔

اس سلسلۂ بحث مین صرف دو سوال پیدا ہوتے ہین:۔

(۱) کیا غالب نے بیدل کا تتبع کیا اور کیون۔ (۲) کیا اس سعی مین وہ ناکام رہا اور کن اسباب کی بنا ر پر۔

پہلے سوال کا اول جزو اپنے ثبوت کے لئے زیادہ کاوش کا محتاج نہین خود غالب کا بیان کافی ہے ملاحظہ ہو۔

طرزِ بیدل مین ریختہ لکھنا اسد اللہ خان قیامت ہے

اسد ہر جا سخن نے طرحِ باغ تازہ ڈالی ہے مجھے رنگِ بہارِ ایجادی بیدل پسند آیا

مطرب دل نے مرے تارِ نفس سے غالب ساز پر رشتہ پئے نغمۂ بیدل باندھا

دوسرے شعر مین غالب علانیہ اعتراف کرتا ہے کہ مجھے بیدل کی جدت طرازیان پسند ہین جسے وہ بیدل کے مخصوص انداز مین، رنگ بہار ایجادی سے تعبیر کرتا ہے، تیسرے شعر مین وہ زیادہ قوت کے ساتھ ظاہر کرتا ہے کہ میرا تار نفس

نغمۂ بیدل کے لئے وقف ہے۔ پہلا شعر معلوم ہوتا ہے بہت بعد کا ہے جب خود اس نے محسوس کر لیا کہ بیدل کا تتبع ممکن نہین
اسی کے ساتھ جب اس کی شاعری کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو کثرت سے اس کی شہادتین ملتی ہین کہ غالب نے
ریختہ مین کہان کہان، اور کس کس طرح "بیدل سرائی" کی ہے۔ نسخۂ حمیدیہ کے دیکھنے سے تو ہر شخص معلوم کر سکتا ہے
کہ غالب کے حذف شدہ کلام مین عنصر غالب اس حصہ کا ہے جس مین بیدل کا رنگ پیدا کرنے کی سعی کی گئی ہے لیکن اسکے
معروف و متداول دیوان مین بھی بہت سے اشعار اور متعدد ترکیبین اس ثبوت مین پیش ہو سکتی ہین۔

نسخۂ حمیدیہ کے حسب ذیل اشعار ملاحظہ ہون:-

فضائے خندۂ گل تنگ و ذوقِ عیش بے پروا — فراغت گاہ آغوش و داع دل پسند آیا

ہوئی جس کو بہار فرصت ہستی سے آگاہی — برنگ لالہ جام بادہ بر محمل پسند آیا

سواد چشم بسمل انتخاب نقطہ آرائی — خرام ناز بے پروائی قاتل پسند آیا

یہ ساری غزل غالب نے قصداً بیدل کے رنگ مین لکھی تھی جس کا اعتراف وہ خود مقطع مین کرتا ہے:-

اسد ہر جا سخن نے طرح باغ تازہ ڈالی ہے — مجھے رنگ بہار ایجادی بیدل پسند آیا

نہ بھولا اضطراب دم شماری انتظار اپنا — کہ آخر شیشۂ ساعت کے کام آیا غبار اپنا

جاں دادگان کا حوصلہ فرصت گداز ہے — یان عرصۂ تپیدنِ بسمل نہین رہا

ہون قطرہ زن بوادی حسرت شبانہ روز — جز تار اشک جادۂ منزل نہین رہا

شوق سامان فضولی ہے وگرنہ غالب — ہم مین سرمایۂ ایجاد تمنا کب تھا

موقوف کیجئے یہ تکلف نگاریان — ہوتا ہے ورنہ شعلۂ رنگ حنا بلند

غرور ضبط وقت نزع ٹوٹا بیقرارانہ — نیاز بال افشانی ہوا صبر و شکیب آخر

پیمانۂ وسعت کدۂ شوق ہون لے اشک — محفل سے مگر شمع کو دل تنگ نکالون

ہون گرمی نشاط تصور سے نغمہ سنج مین عندلیب گلشن ناآفریدہ ہون

الغرض اس قسم کے اشعار کثرت سے نسخۂ حمیدیہ مین پائے جاتے ہین جو بیدل کے تتبع مین لکھے گئے ہین۔ معروف دیوان کے بھی بہت سے شعر اسی رنگ کے ہین۔ جن سے ہر شخص واقف ہے تحریر و انتخاب کی ضرورت نہین۔

اب سوال یہ ہے کہ کیون غالب نے بیدل کا تتبع کیا اور کیون اس مین وہ ناکام رہا۔ اور اس کے ساتھ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ فارسی مین کیون اس نے بیدل کا رنگ اختیار نہین کیا جس مین اس کے لئے زیادہ آسانی تھی۔

اس مین شک نہین کہ غالب فطرت کی طرف سے فارسی کا نہایت پاکیزہ ذوق لیکر آیا تھا اور اسی کے ساتھ خوش بختی سے اُسے استاد بھی ایک ایرانی ماہر زبان ملگیا اس لئے ظاہر ہے کہ اس نے پہلے فارسی ہی زبان کی شاعری کی طرف توجہ کی ہوگی اور اساتذۂ ایران ہی کے کلام کو اپنے سامنے رکھا ہوگا۔ پھر چونکہ ذوق مین شروع سے شوخی پائی جاتی تھی اور عنفوان شباب مین رندانہ جوش وخروش کا ہونا فطری امر ہے اس لئے کوئی وجہ نہ تھی کہ ابتداءً اُسے بیدل کی طرف توجہ ہوتی جو نہ ایرانی شاعر تھا اور نہ اُس سطح کا جو عام طور پر غزلگوئی کے لئے مخصوص ہے۔ بعد کو جب غالب سن وقوف کو پہونچا اور زمانہ کے گرم وسرد تجربات نے اُسے روحانیت کی طرف مائل کیا تو یہ وہ وقت تھا جب اسکی ریختہ گوئی شروع ہوگئی تھی حالت یہ تھی کہ مغلیہ عہد کا چراغ بجھ رہا تھا، مصائب وآلام نے دلون مین سوز وگداز پیدا کر رکھا تھا اور طبائع تسلیمُ شاعری کی جانب مائل تھے۔ غالب، ہر چند ایسی طبیعت لیکر نہ آیا تھا کہ اس ماحول سے صحیح معنی مین جذبات استسلام اس کے اندر پیدا ہوتے، لیکن کچھ نہ کچھ اثر اُسپر بھی ہوا اور دل مین ہلکی سی وہ کیفیت پیدا ہوئی جس کا پایا جانا کلام بیدل سے لطف اُٹھانے کے لئے ناگزیر ہے۔ ریختہ گوئی کا زور تھا، غالب بھی محافل مشاعرہ کی گرم بازاری مین حصہ لے رہا تھا۔ اپنے فارسی کلام سے اپنی ریختہ گوئی کو ممیز بنانا چاہتا تھا، بلندی ذوق جدت طرازی، میر و درد کے رنگ کی طرف مایل نہ ہونے دیتی تھی اس لئے وہ مجبور ہوگیا کہ بیدل ہی کو سامنے رکھکر ریختہ گوئی کے نقوش ساز کرے کیونکہ وہ اس رنگ مین فارسی ترکیبین بھی اغلاق پسندی کی حد تک استعمال کرسکتا تھا جو اس کا طبعی رجحان تھا اور اپنی تخیل مین بھی نُدرت وابداع کی صورتین پیدا کرسکتا تھا جو اس کا ذہنی میلان تھا۔

پھر اب سوال یہ رہجاتا ہے کہ غالب کی ناکامی کے اسباب کیا تھے۔ اسپر غور کرنے سے قبل ضروری ہے کہ کلام بیدل کی خصوصیات کو مختصراً ظاہر کردیا جائے

اکثر تذکرہ نویسون نے جن مین مولانا شبلی مرحوم بھی شامل ہین، بیدل کے سمجھنے مین سخت غلطی کی ہے اور اسلئے اُس کے کلام پر وہ صحیح تنقید نہ کرسکے۔ اسپر سب سے بڑا الزام یہ رکھا گیا ہے کہ اس کے کلام مین فارسیت نہ تھی اور دور از کار استعارات وتشبیہات نے اس کے کلام کے اغلاق کو اہمال کی حد تک پہونچادیا تھا۔ پہلا الزام (اگر وہ واقعی بیدل کے لئے کوئی الزام ہوسکتا ہے) یقیناً ایک حد تک صحیح ہے، کیونکہ محض لطف زبان نہ اس کا مقصود تھا اور نہ

زبان کی پابندی کے ساتھ وہ اپنے خیالات کو ادا کرسکتا تھا، وہ اپنے جذبات کو ظاہر کرنا چاہتا تھا اور جب زبان کی تمام معمولی ومتداول ترکیبین ناکافی ثابت ہوتی تھین تو بالکل الہامی ووجدانی طور پر ازخود نئی نئی ترکیبین اس کے ذہن سے پیدا ہوتی تھین اور اس طرح گویا وہ اپنی ندرت تخئیل کے ساتھ ساتھ ایک نئی زبان بھی پیدا کر رہا تھا، بیدل کو محض شاعر کہنا اور شاعر سمجھ کر اس کے کلام پر تنقید کرنا درست نہین، وہ شاعر سے زیادہ بلند چیز خنیدہ تھا بلکہ اس سے بھی ارفع ایک خلاق سخن تھا، ایک پیام رسان قدرت تھا حسن وعشق کی معمولی شاعری اس کے ذوق سے بہت فروتر چیز تھی اور اُس کا ہر ہر لفظ ایک ایسا نغمۂ لاہوتی تھا جس کی مثال سوائے الہامی کتابون کے کسی اور جگہ نہین ملسکتی۔ پھر ظاہر ہے کہ وہ لوگ جو صرف سعدی، نظامی، حافظ، فردوسی، عرفی، نظیری، کی سطح سے بیدل کا مطالعہ کرین گے وہ یقیناً کوئی لطف اس کے کلام مین نہ پائین گے اور جنھون نے وہ مخصوص ذہنیت فطرت کی طرف سے نہین پائی ہے، جو بیدل کے حقایق ومعارف کو سمجھ سکے، وہ اگر اس کے کلام کو مغلق مہمل اور لغو نہ قرار دین تو تعجب ہے

بیدل اپنے بعد لاکھون شعر اور سیکڑون صفحات نثر کے چھوڑ گیا، لیکن آپ باوجود سعی وکاوش اس کا ایک مصرعہ یا ایک فقرہ بھی ایسا نہین دکھا سکتے جو اس کے حقیقی رنگ، اس کے ضمیمی پیام سے علیحدہ ہو، اس کی شاعری، اس کی انشاء یکسر وقف تھی صرف اس ایک جذبہ کے اظہار کے لئے کہ خالق ومخلوق کا تعلق نہایت ولانہایت کا سا تعلق ہے اور کائنات کا ذرہ ذرہ جو حقیقتاً صرف ایک پرتو ہے اُسی ایک آفتاب کبریائی کا، اپنے چیز اصلی، اپنے منبع فطری تک پہونچنے کے لئے بیتاب ہے اور یہ تمام جستجو صرف ایک حیرت ہے غیر متناہی، ایک حیرانی ہے ابدی، اور ایک بیکسی وبیچارگی ہے ناقابل علاج

کلیات بیدل کے تمام مجموعہ مین صرف رقعات ہی کا ایک حصہ ایسا ہوسکتا تھا جس مین اس امر کا امکان تھا کہ وہ اپنی نگاہ کو بلندی سے ہٹا کر پستی کی طرف مایل کرتا، لیکن اس پر اتنا زبردست رنگ چڑھا ہوا تھا کہ دنیادی معاملات وتعلقات کے اظہار مین بھی وہ اپنے حقیقی رنگ طبیعت کو نہین چھوڑتا اور مادی تعلقات کی دنیا کو بھی وہ بالکل آسمانی واثیری (ethereal) صورت سے پیش کرتا ہے

وہ ایک شخص کو خط لکھتا ہے اور اس کی تعبیر ان الفاظ مین کرتا ہے:۔

شاد باش اے دل کہ آخر عقدہ ات وامی شود　　　قطرۂ ما می رسد جائے کہ دریا می شود

کسی دوست کی پرسش پر وہ اس رنگ مین اظہار خیال کرتا ہے:۔

مشت خاکم عشق نادانستہ صیدم کردہ است　　　اے حیا آہم مکن از ننگ صیادم مپرس

ایک جگہ نہ پہونچ سکنے کا عذر یون ہوتا ہے:۔

نگہ گر نشد قابل روئے دوست فغان می رسانم بجائے کہ اوست

ایک صاحب نے ایک دلق تحفۃً پیش کی تھی، اس کا شکریہ ان الفاظ مین ہوتا ہے:-

سزد کہ چشم ہوس از گل و سمن پوشیم سرے کشیم درین گودری (گدڑی) چمن پوشیم
ہوس دمے کہ تمنائے این لباس کند ہزار جان بہم آریم تا بدن پوشیم
اگر باین ہنرست آب ورنگ عریانی چہ لازم ست کہ ناعیب پیرہن پوشیم
دران بساط کہ وارستگی ست خلعت ناز مرقع سحراز بوئے یاسمن پوشیم

کسی صحبت گزشتہ کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے:-

ما ہم از گلشن و بیدار گلے می چیدیم ہر کجا آئینہ بینید مرا یاد کنید

یہ ہے رنگ بیدل کا رقعات و مکاتیب مین۔ اور اسی سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ نکات، چہار عناصر اور مثنویون مین اُس نے کیا کچھ نہ لکھا ہوگا اور بلندی خیال، رفعتِ تصور، جدت بیان، اور ندرت ادا کے کیسے کیسے نادر نقوش اُن مین پائے جاتے ہونگے۔ چونکہ اس مضمون مین بیدل پر تنقید کرنا مقصود نہین ہے اس لئے مین زیادہ مثالین دینے سے معذور ہون، لیکن مذکورۂ بالا چند اشعار سے بھی کافی اندازہ ہو سکتا ہے کہ بیدل پر کسقدر گہرا اثر پیغام حقیقت کا تھا اور اس کی زبان کا ہر لفظ اسی کے لئے وقف تھا

غالب کو اپنی ذہانت، فارسیت اور شاعری پر جتنا ناز تھا وہ کسی سے پوشیدہ نہین، مشکل ہی سے وہ کسی کا قایل ہوتا تھا، لیکن بیدل کی جدت طرازیون اور معنی آفرینیون سے وہ بھی مرعوب ہو گیا اور اس حد تک کہ آخرکار اسنے اس کے تتبع کی کوشش شروع کر دی اور پھر خود ہی اس کے ذوق سلیم نے بتا دیا کہ کامیابی ممکن نہین۔ غالب کی ناکامی کا سبب صرف یہ ہوا کہ اسنے زمین وہ نہین پیدا کی جو بیدل کی تخیل کو بارآور کر سکتی۔ بیدل نے صرف فلسفۂ تکوین کو سامنے رکھا اور اس مین بھی خصوصیت کے ساتھ خالق و مخلوق کا تعلق، قدرت کی بے پایان وسعت، اس کے مظاہر و آثار، اپنی محدود و ناکام جستجو اور آخر مین وحدت وجود جو نتیجہ ہے اس نوع کی سعی و جستجو کا۔ غالب نے غلطی سے بیدل کے اس رنگ کو منطبق کرنا چاہا مادی شاعری پر، مادی تغزل پر اور اُن واقعات حسن و عشق پر جو اس دنیا مین ، انسانی گوشت پوست سے متعلق رونما ہوتے ہین، اس لئے جو کچھ اسنے لکھا وہ اُس کیف سے خالی رہا جو بیدل کے یہان پایا جاتا ہے اور چونکہ غالب کا ذوق شعری نہایت بلند تھا اس لئے وہ اس کمی کو آخرکار خود بھی سمجھ گیا۔ بیدل و غالب کے کلام کے اس فرق کو آپ ذیل کی مثال سے سمجھ سکین گے

غالب کا مشہور شعر ہے:-

بساطِ عجز مین تھا ایک دل یکقطرہ خون وہ بھی سو رہتا ہے باندازِ چکیدن سرنگون وہ بھی

مفہوم یہ ہے کہ میری بساط عجز مین سوائے ایک دل کے کیا تھا سو اس کی بھی کیفیت یہ ہے کہ محض ایک قطرۂ خون ہے جو ہر وقت ٹپک پڑنے کے لئے آمادہ رہتا ہے۔ اس شعر مین قلب کی صنوبری ساخت اور اس کی تعلیق و آزگونی سے اس کا بصورت قطرہ آمادۂ چکیدن رہنا ظاہر کیا ہے۔ یہ خیال غالب نے بیدل کے اس شعر سے لیا:۔

آب گہریم و خونِ یاقوت داریم بروئے خود چکیدن

لیکن فرق قابل غور ہے۔ بیدل کہتا ہے کہ عالم خلق مین بہتر سے بہتر چیز کو لیلو مثلاً گوہر و یاقوت لیکن اسکا بھی یہ حال ہے کہ اُس کا عجز اس کی حالت سے ظاہر ہے۔ داریم بروئے خود چکیدن۔ یہ پورا مصرعہ کیفیاتی تشبیہ سے متعلق ہے، غالب کے یہان تشبیہ نظری و مادی ہے، اور دل کی تخصیص کرکے بساطِ عجز کے صرف ایک محدود و مخصوص منظر کو سامنے لاتا ہے، بیدل کوئی تعیین نہین کرتا بلکہ وہ تمام عالم وجود سے بحث کرتا ہے۔ غالب کو دلکی تخصیص کے ساتھ سرنگون اور یکقطرہ خون بڑھانا پڑا، بیدل کو اپنے مقصود کی وسعت کے لحاظ سے مطلق اسکی ضرورت محسوس نہین ہوئی۔ غالب کو اپنا مفہوم ذہن نشین کرانے کے لئے غیر معمولی تکلف کرنا پڑا، لیکن بیدل نے اُسے زیادہ سادہ و مختصر الفاظ مین اور زیادہ قوت کے ساتھ ظاہر کر دیا۔ آپ کو معلوم ہے کہ یہ فرق کیون پیدا ہوا، صرف اس لئے کہ بیدل کا نظریۂ شاعری غالب کے نظریۂ شاعری سے زیادہ بلند ہے اور اس لئے جس مضمون کو بیدل نے اسقدر بلند ہو کر بیان کیا، غالب کو اس اظہار کے لئے نیچے آنا پڑا۔

اگر کسی وقت فرصت ہوئی تو مین کلام بیدل پر تفصیلی تنقید کرتے ہوئے اس مسئلہ کو اور زیادہ وضاحت کے ساتھ بیان کرونگا، فی الحال اسی پر قناعت کیجئے۔

محبت کا ایک لمحہ

شفق کے عنبریں شعلوں میں نجم ہنگ باقی تھا
بہارِ شام کا ملبوسِ رنگیں بھی گلابی تھا

نشاط اندوز ہو کر تیرگی گلزار میں آئی
فضا پر محویت سی اس کے رقصِ ناز سے چھائی

ادھر سوسن کے لب سے بوئے پنہاں چرا لائی
ادھر اس کامیابی پر وہ مچلی اور اترائی

کبھی بھاگی کبھی ٹھہری کبھی حیران کبھی لرزاں
کبھی اس سے لگی ہماں کبھی اس سے ہوئی قرباں

اسے اک مستقل دیوانۂ نکہت بنا ڈالا
ذرا سی بات کو افسانۂ فطرت بنا ڈالا

حریصِ بادۂ لب ہو گئی وہ اس قدر آخر
کہ تلخی حلاوت کے سمجھنے سے رہی قاصر

وہ سمجھی زندگی کو وقفِ تمنا نوش ہو جانا
سراپا جوشِ تمنا یا سراپا ہوش ہو جانا

خیالِ میکشی میں جام کی صورت سبو ٹوٹا
افق کا رنگ بھی بدلا طلسمِ رنگ و بو ٹوٹا

کہاں اب اضطرابِ رقص کی ہنگامہ آرائی
کہاں ہیجانِ ذوق و شوق کی اب کار فرمائی

مثالِ برگِ پژمردہ گری گل سے جدا ہو کر
تماشہ بن گئی ہر اک کا گلشن میں فنا ہو کر

دمِ نرگس نے اس ہنگامۂ جانکاہ کو دیکھا
ادھر سرو و صنوبر کو بھلا اپنی جگہ سکتا

یہ دیکھا جا سکا ایسا تماشائے تحیر زا
کہ آگے اک جنازہ تھا شہیدِ بس حسرت کا!

گرا گل ہو کر خود بھی مریضِ عشق و الفت ہے
کہ جس نے جان دی ہے جرعۂ کیفِ نکہت پر

ہوئی تکمیلِ الفت یہ طرح رنگِ تمنا کی
کہ حسرت بھی رہ گئی باقی نہ کچھ پنہاں نہ پیدا کی

وہ عہدِ اولیں تھی عاشقی حساس فطرت کی
نگاہِ واپسیں ہے یہ طلبگارِ محبت کی!!

نوائے غم سے گونج اٹھی فضائے گلشن و صحرا
صدائے ماتم پرش ہونے لگی ہر ساز سے پیدا

نمِ آگین ہو گئی شبنم سے شامِ حسنِ بستانی
ستاروں کی فلک پر پڑ گئی انوار سامانی

تموج ہو گیا پیدا بہارِ حسنِ فطرت میں
تلاطم آ گیا امواجِ دریائے لطافت میں

سہانے نیلگوں پردہ تو نکلا بصد حیرت
کہ دیکھے اک شہیدِ آرزو کی صورتِ غربت

مگر فطرت نے فوراً صورتِ عالم بدل ڈالی
نشاطِ رنگ میں تاریکیِ ماتم بدل ڈالی

کھجوروں کے شجر گویا بنے اشجارِ نورانی
محیطِ نور میں ڈوبی بہارِ رنگ بستانی

زمیں پر چاندنی بھر مخمل پر رنگینیاں چھائیں
نشاطِ خواب کی رعنائیاں، اشجار پر آئیں

گہر شبنم نے برسائے صدف آسا ہوا گلشن
بنا ہر پھول تصویرِ جمال و حسن کا مخزن

خمارِ نوم سا چھانے لگا اربابِ فطرت پر
کرن مہتاب کی رقصاں ہوئی امواجِ نکہت پر

جسے دیکھا وہ آسودہ نظر آیا تلاطم میں
خموشی کی طرح پوشیدہ اسرار تکلم میں تھا

کہاں نرگس کہاں وہ تیرگی بستانِ فطرت میں
عوض میں ان کے حسن و عشق تھے محوِ خلوت میں

فضا مسرورِ الفت تھی صبا مخمورِ نکہت تھی
زمیں سے آسماں تک بس لطافت ہی لطافت تھی!!

جگر میں جوشِ حسرت کا تو دل میں سخت حیرانی
لبوں پر مہرِ حیرت تھی نگہ میں کیف سامانی

کوئی مسحورِ رنگ و بو، کوئی مصروفِ ادا کوشی
کوئی بیتابِ مے نوشی، کوئی محوِ جفا کوشی

بلا کی جاذبیت تھی کسی حساس فطرت میں
مگر بھر دی گئی تھیں بجلیاں جامِ لطافت میں!

نیازِ عشق میں احساس کی رنگینیاں قائم
بہارِ حسنِ خلق آرا میں بے پروائیاں دائم

در وابسِ ہوش میں کیفیتِ دوشیں سکوں افزا
فریبِ حسن میں پنہاں جلالِ شوخیِ ہا جنوں افزا

خیالِ وصل یعنی ابتدائے مرگِ خاموشی
ملالِ ہجر یعنی ابتدائے دردِ جانسوزی

غرض دل مستیوں میں نہاں زندگی دل کی
فنائے عشق کو ہوتی نہیں کچھ فکر حاصل کی

محبت کا ہر اک جلوہ جوابِ حسنِ فطرت ہے
یہی وہ پھول ہے جس میں لطافت ہی لطافت ہے

حافظ غازیپوری

جز "سعی دوام" اور کیا ہے — شاعر کا پیام اور کیا ہے
یعنی اس میکدے کی رونق — جز "گردش جام" اور کیا ہے
انسان کا کام اور کیا ہے

بہتے ہوئے آب زندگی پر — کچھ نقش اثر بنائے جانا
مٹتے ہوئے داغ آرزو کو — چمکا کے قمر بنائے جانا
قطروں کو گہر بنائے جانا

کوشش میں ہے راز نظم ہستی — جنبش ہے دلیل زندگانی
اے ننگ وجود آدمی زاد — پانی میں اگر نہ ہو روانی
پانی کو کہیگا کون پانی

ہنگامۂ سوز و ساز کیوں ہو — دل کو اگر آرزو نہ چھیڑے
ساحل کی ہوا بندھی ہوئی ہے — طوفان سے لڑ رہے ہیں بیڑے
کھاتے ہیں وہ موج کے تھپیڑے

فطرت کا "سکون مضطرب" دیکھ — ساری چیزیں مچل رہی ہیں
بادل ہیں منتشر فضا میں — موجیں کروٹ بدل رہی ہیں
سرگرم عمل ہیں چل رہی ہیں

سرگرم عمل ہوائے صحرا — "طوفان بکنار" چل رہی ہے
محنت کش ماہ و سال، دنیا — "بالیل و نہار" چل رہی ہے
جویائے "قرار" چل رہی ہے

ہستی کا نظام ہے "تسلسل — "تکمیل" میں زندگی نہیں ہے
منزل کا وجود ہے خیالی — منزل کہیں شوق کی نہیں ہے
فطرت کبھی رُوکتی نہیں ہے

وہ نخل جو کل تھا تخم ناچیز — وہ غنچہ جو پھول ہو گیا ہے
وہ قطرہ جو تاج قیصری میں — موتی بنکر چمک رہا ہے
صورت گر رازِ ارتقا ہے

اس بزم عمل میں صرف انسان — بے خود ہے خراب رنگ و بو ہے
ہونے کو ہے دل میں آرزو بھی — لیکن رسوائے آرزو ہے
بیگانۂ رازِ جستجو ہے

جڑ کٹتی ہے "نخل آشیان" کی — فکر "تعمیر آشیان" ہے
گلشن کی بہار لٹ رہی ہے — گلچیں پہ گمانِ باغبان ہے
مسموم ہوائے گلستان ہے

اے مست مئے خیال شاعر — اٹھ اور نوید ارتقا دے
اک نالۂ حشر آفریں چھیڑ — اعجازِ سخنوری دکھا دے
قسمت کو جھنجھوڑ کر جگا دے

جو شوق کہ بجھ گیا ہے دلمیں — اس شوق کو "گرمیٔ اثر" دے
محروم نہ ہو جہان میں کوئی — ہر سیپ کو "شاہد گہر" دے
ہر داغ کو "خانۂ جگر" دے

سرکا کے "حجاب روئے معنی" — فطرت کو قبیح نقاب کر دے
پروانوں کا سوز دے مگس کو — ہر ذرّے کو آفتاب کر دے
اک محشر انقلاب کر دے

جمیل مظہری کاظمی

وکٹوریہ میموریل کلکتہ مین چند زندہ تصویرین دیکھکر

حسین چہرون سے رنگین نقاب اٹھائے ہوئے!
نگاہ شوخ مین سو بجلیان بسائے ہوئے!
خرام ناز پہ مستانہ لغزشون کا ہجوم!
فضا کی گود مین مینا نے تھرتھرائے ہوئے!
سیہ نقاب مین شاداب و نازنین چہرے
حسین تارے گھٹاؤن مین جگمگائے ہوئے!
گھنیری زلفون کے سایہ مین عارضون کی بہار
کہ سبز شاخون مین کچھ پھول لہلہائے ہوئے!
سیہ نقابون مین روشن شفق نما رخسار
چراغ، رات کے پردون مین جھلملائے ہوئے!
رخ صبیح پہ گیسوے مشکبو کا ہجوم!
فرشتے جانب افلاک، پر اٹھائے ہوئے!
فضائے کاکل مشکین مین شعلہ گون چہرے!
سواد شام مین آتشکدے جلائے ہوئے!
زبان حافظ و خیام مین تکلم ریز!
شراب و شعر کا بادل، فضا پہ چھائے ہوئے!
بھلا چکی جنھین صدیون سے سرزمین عجم!
نقاب مین وہی آتشکدے چھپائے ہوئے!
ہر اک ادا عجمیت کے رنگ سے سرمست!
میموریل کو سواد عجم بنائے ہوئے!

نگاہ یاس کو اذن کلام دیتی جاؤ!
مسافران حزین کا سلام لیتی جاؤ!

اختر شیرانی

غزل افسر امروہوی

اے سیل اشک خون کو بھی ساتھ لے نکل
آنکھون مین کچھ تو زخم جگر کا نشان رہے

سایہ کی آفتاب کے پہلو مین جا نہین
یارب جب اُن کا قرب ہوا ہم کہان رہے

اُمید ہو کے یاس مگر عارضی نہ ہو
جو چیز میرے دل مین رہے جاوداں رہے

کاش ان کو اعتماد نہ ہو میری چاہ پر
جی چاہتا ہے کشمکش امتحان رہے

ہم خاک ہو کے بھی نہ ہوئے مائل زمین
جب تک بھی رہ سکے طرف آسمان رہے

جب اُٹھ چکے تھے ارض و سما کے حجاب سب
تم میری چشم شوق سے کیونکر نہان رہے

اے اضطراب ہجر نہ کھو آبروئے عشق
تا حد اختیار یہ آتش نہان رہے

لکھی تھی یہ مصیبت اختر نصیب مین
پیری کے دُکھ اُٹھانے کو افسر جوان رہے

غزل اصغر لودھیانوی

خود اپنے دردِ دل کا مداوا کرے کوئی
محمل غبارِ راہ سے پیدا کرے کوئی

دار و رسن ہے آگ ہے زندان ہے تیغ ہے
اب وقت ہے کہ تیری تمنا کرے کوئی

مجبور ہو کے اُن کی غلامی قبول کی
جب دل ہی دے نہ ساتھ تو پھر کیا کرے کوئی

مدہوش ہیں کلیم بھی تابِ جمال سے
کیا اعتبارِ دیدۂ بینا کرے کوئی

موقوف ہے جو اُن کی ملاقات حشر پر
مقصد یہ ہے نہ روز تقاضا کرے کوئی

مایوس دل میں تابِ شکیبا سقدر کہاں
ایسا نہ ہو کہ آپ کو رسوا کرے کوئی

زیرِ فلک نہیں کسی شے کو بھی جب قرار
کیا آرزوئے دولتِ دنیا کرے کوئی

آ میفروش سے غم الفت خرید لیں
کب تک شکایتِ غم دنیا کرے کوئی

آ اک نئے حرم کی بناڈ الئے یہاں
کب تک تمیزِ دیر و کلیسا کرے کوئی

آ ربطِ حسن و عشق سے دنیا کو گھیر لیں
آخر کہاں تلک انھیں رسوا کرے کوئی

ہمراہ پھر چمن میں وہ جنت فریب ہے
پھر اہتمام ساغر و مینا کرے کوئی

یہ دیکھنا نہیں جو سراپا نظر نہیں
آئینہ بن کے آپ کو دیکھا کرے کوئی

افسانۂ جمیل ابھی یاد ہے نظیر
کس آسرے پہ عشق کا دعویٰ کرے کوئی

غزل ثاقب جالندہری

یہ چاہتی ہیں انکی بیگانہ وار ادائیں
دل ہمکو بھول جائے ہم دل کو بھول جائیں

تو بہ ضرور کی ہے۔ لیکن یہ سوچتا ہوں
کیا چاہتی ہیں مجھ سے چھائی ہوئی گھٹائیں

امید زندگی کا تھیں آخری سہارا
ٹھکرائی جا چکی ہیں جو میری التجائیں

وحشی کو چھیڑتے ہیں۔ وحشی کو چھیڑتی ہیں
اٹھتے ہوئے بگولے چلتی ہوئی ہوائیں

مایوسیوں میں ڈوبیں۔ ناکامیوں سے الجھیں
اک کشمکش کی دنیا رکھتی ہیں التجائیں

دل تنگ آ گیا ہے اب نامرادیوں سے
آ اے خیال دلبر تجکو گلے لگائیں

گم کردہ راہ ثاقب ہم عمر بھر رہینگے
ہاں بیخودی میں شاید منزل کو دیکھ پائیں

رباعیات

اللہ نے اعجاز یہ تمکو ہی دیا　　ناکام محبت کا بھرم کھو ہی دیا
کیا جانئے کیون مجھکو سر محفل ناز　　تم ہنس ہی دیئے دیکھکے مین وہی دیا

اے دکھتے ہوئے دل کے دکھانے والے　　روتے ہوئے کو ہان رُلانے والے
اتنا نہین کرتے ہین کسی کو بیتاب　　ھنستے ہوے مُنہ پھیر کے جانے والے

اُٹھ اُٹھ کے جھکی نگاہ جانان کیسی　　ہوتی تھی ابھر ابھر کے پنہان کیسی
فوارۂ خون کا حال سینے مین نہ پوچھ　　دل پر چلتی رہی ہین چھریان کیسی

اے دوست بتا ترا تکلم کیا ہے　　چشمک کیا ہے ترا تبسم کیا ہے
اسوقت فضا ہے ایک سحر لرزان　　آگے ترے مجھکو یہ تو ہم کیا ہے

ہان درد جگر کو کچھ تو اچھا کرلین　　ہان سوز درون کو کچھ تو ٹھنڈا کرلین
رولین ترا نام لیکے شام ہجران　　دکھتے ہوئے دل کا کچھ مداوا کرلین

فراق گورکھپوری

پرتاب ۱۲؍
روہنی ۱۰؍

مولانا شرر مرحوم

جنید بغدادی عہ؍
ملکہ زنوبیہ ۳؍
قرۃ العین ۳؍
محذرات
جویائے حق للعہ
لعبت چین عہ؍
فاتح مفتوح
بابک خرمی
الفانسو ۱۲؍
ایام عرب
قیس و لبنیٰ
یوسف و نجمہ
زوال بغداد
مینا بازار عہ؍
مقدس نازنین
رومتہ الکبریٰ
فلپانا
شوقین ملکہ
منصور موہنا ۸؍
حسن انجلینا ۸؍
ملک العزیز ورجنا ۱۲؍
فردوس بریں ۸؍
حسن کا ڈاکو
دربار حرام پور ۱۰؍
غیب دان دلہن عہ
بدر النسا کی مصیبت ۸؍

میوۂ تلخ ۸؍
نیکی کا پھل

شوق قدوائی

ترانۂ شوق
قاسم و زہرہ ۱۲؍
نیرنگ جمال ۴؍

میر ولی اللہ کی کتب

بندگی
کاس الکرام
لسان الغیب جلد اول
دوم
سوم
چہارم
نگارستان فصاحت
بادۂ ناب

ظفر قدوائی

چوروں کا کلب ۹؍
نیلی چھتری
بہرام کی گرفتاری

مولانا نیاز فتحپوری

گیتان جلی
گہوارۂ تمدن
نگارستان
صحابیات
تاریخ الدولتین

سید سجاد حیدر کی کتب

زہرا ۱۲
جلال الدین خوارزم شاہ
خیالستان
ثالث بالخیر

مکائد النسا

دلچسپ و جاسوسی ناول

سراب بغض ۸؍
بالشویک شہزادی ۸؍
شہید وفا ۸؍
ممتاز بیگم ۱۲؍
شعلۂ رنگین ۸؍
محاصرۂ پیرس عہ؍
شیخ چلی عہ؍
بہادر ترک ۸؍
بہرام کی جوانی
انقلاب فرانس
حسن بنارس ۸؍
فطرتی جاسوس
ترکی حرم سرا ۸؍
جنگ طرابلس ۸؍
بہرام چور
زر پرست
گتھی کا راز
عبد الرحمٰن ناصر
عروس مصر
سیلاب خون
کرشمہ
دغاباز دلہن
طواف زمین عہ؍

سیاحت زمین
سیاحت ہوا عہ؍
نازنین مراکش ۸؍
سمندر کی سیر
اسرار بالشویزم
روح لیلیٰ
این بک عہ؍
حجاج بن یوسف
یوسف پاشا
انقلاب عثمانی
بہرام کی رہائی
بہرام کی آزادی ۱۲؍
بہرام کی سرگذشت
لال کنور
پراسرار قتل

نئی کتابیں

مکمل شرح دیوان غالب
بزم خیال عہ؍
مشاطۂ سخن عہ
انشائے نسواں ۶؍
مکاتیب محسن الملک
لیلیٰ مجنوں ڈراما

مراثی

مراثی دبیر
مراثی انیس
مراثی ضمیر عہ؍

مراثی مونس
مراثی دلگیر

تذکرۃ الشعرا

تذکرۂ حسینی ۱۱؍
گلشن ۱۰؍
سراپائے سخن عہ؍
سوانح نظیر اکبرآبادی

دواوین فارسی

دیوان شمس تبریز
کلیات عراقی ۱۲؍
دیوان حافظ
دیوان نعمت خان عالی
کلیات انوری
دیوان بیدل ۱۰؍
کلیات سعدی
دیوان عرفی ۱۲
کلیات جامی
کلیات غالب
کلیات صائب
کلیات حزیں
دیوان عنصری
دیوان ظہیر فاریابی ۶؍
دیوان غنی کشمیری ۶؍
دیوان ناصر علی ۶؍
دیوان ہلالی ۶؍
کلیات جلال اسیر

دواوین اردو

دیوان حسن دہلوی
کلیات ظفر

کلیات
دیوان ناسخ عہ؍
کلیات میر
کلیات سودا
کلیات انشا
کلیات نظیر اکبرآبادی عہ؍
گلزار داغ
دیوان رند ۹؍
دیوان ذوق ۱۲؍
کلیات اسمٰعیل
مراۃ الغیب عہ؍
صنم خانۂ عشق
فریاد داغ ۴؍
دیوان قاتل ۸؍
دیوان شہیدی ۴؍

عجائب و غرائب

عجائب المخلوقات مع تصاویر
بلا تصویر سادہ
مجمع الفنون
طلسم فرنگ
کارخانۂ عالم
زنانۂ لندن کے دلوں کے ترجمے
الہ دین و لیلی
فریب حسن
سوز عشق
روزالیمنڈ
نادان اسہلہ
شام جوانی
طلسمی فانوس ۱۲؍

شہاب کی سرگزشت
صحابیات
فراست الید
تاریخ الدولتین
جذبات بھاشا
گہوارۂ تمدن